کلام فرید
اور
مغرب کے تنقیدی رویے
خورشید ناظر

کلام فرید

اور

مغرب کے تنقیدی رویے

خورشید ناظر

اردو اکیڈمی بہاول پور

نام کتاب	کلام فرید اور مغرب کے تنقیدی رویے
مصنف	خورشید ناظر
سال اشاعت	۱۹۹۶ء
مطبع	
سرورق	بلال جاوید
کتابت	پاک کمپیوٹر،
	یونیورسٹی چوک، بہاول پور
قیمت	۱۰۰ روپے
ناشر	اردو اکیڈمی، بہاول پور

انتساب

میں اپنی اس انتقادی کاوش کو اپنی والدہ مرحومہ عظیم خاتون صاحب
جن کے پر شفقت و مسیحا اثر ہاتھوں کا لمس آج بھی جھلسا دینے والے لمحوں
میں اپنی پیشانی پر محسوس کرتا ہوں اور اپنے مرحوم والد جناب غلام نبی صاحب
کے نام کرتا ہوں جن کے اعلیٰ شعری ذوق اور ادبی شعور نے میدان ادب میں
ہمیشہ میری رہنمائی کی۔

اگر سیاہ دلم داغ لالہ زار توام
وگر کشادہ جبینم گل بہار توام

ترتیب

حرف چند

اردو اکیڈمی بہاول پور، گذشتہ چار دہائیوں سے علم و ادب کی گرانقدر خدمات سر انجام دے رہی ہے۔ یوں تو اس ادارے کی خشت اول کچھ اور صاحبان علم نے رکھی تھی لیکن اس سلسلے میں بیشتر کام جناب مسعود حسن شہاب (مرحوم) کی مساعی کا نتیجہ ہے اور یہ امر باعث اطمینان ہے کہ شہاب صاحب کے انتقال کے بعد اردو اکیڈمی کو شاہد حسن رضوی جیسا بالغ نظر معتمد اور کارکن میسر آیا ہے جو اپنی مصروفیات کے باوجود رات دن اردو اکیڈمی کے حوالے سے سوچتا ہے، نت نئے منصوبے بناتا ہے اور انھیں اپنی بیش بہا صلاحیتوں سے کامیابی سے ہمکنار کرتا ہے۔ اس موقع پر میں اردو اکیڈمی کے دیگر ارکان کی بے لوث خدمات کا بھی اعتراف کرنا چاہتا ہوں۔ میں امید کرتا ہوں کہ گرانٹ میں معقول اضافے اور کمپیوٹر کی فراہمی کے بعد اردو اکیڈمی کی مساعی میں مزید تیزی آ جائے گی اور یہ اپنا کام زیادہ موثر طور پر سر انجام دے سکیں گے۔ گذشتہ دو برسوں میں اکیڈمی کے فاضل اراکین نے ہر طباعتی منصوبے میں میری بھرپور معاونت کی ہے۔ میری دعا ہے کہ یہ ادارہ آنے والے وقت میں مزید پھلے پھولے اور ادب کے حوالے سے ملک اور قوم کی خدمت کا وسیلہ بن پائے۔

"کلام فرید اور مغرب کے تنقیدی رویے" اردو اکیڈمی کے اس پراجیکٹ کا ایک اہم حصہ ہے جو اکیڈمی نے فریدیات کے حوالے سے قائم کیا ہے۔ اس کتاب میں بہاول پور کے معروف شاعر اور نقاد خورشید ناظر نے خواجہ غلام فرید کی سرائیکی شاعری کا ایک نئے انداز سے جائزہ لیا ہے۔

اس تخلیق پارے میں ایک نئے انداز سے کلام فرید کا مغربی ناقدین مثلاً ہومر، افلاطون، ارسطو، لانجائنس، دانتے، فلپ سڈنی، ورڈزورتھ اور کولرج کے تنقیدی خیالات کی روشنی میں جائزہ لیا گیا ہے حالانکہ یہ سب ناقدین ادبی و تنقیدی تاریخ میں خواجہ فرید

سے پہلے گزر چکے ہیں۔

خورشید ناظر کے اس جائزے سے ان کی نقد شناسی اور انتقادی کاوش کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ ان کی نثر میں کسی جگہ بھی بے ارتباطی اور سطحیت نہیں ہے۔ ان کی یہ کاوش دوسرے لوگوں کے لئے نمونے کا کام دے گی۔ میں امید کرتا ہوں کہ یہ کتاب ہماری دوسری علاقائی زبانوں کے اہل علم و دانش کو بھی دعوت فکر و عمل دیتی رہے گی۔

(طارق محمود)
صدر اردو اکیڈمی اکمشنر بہاول پور ڈویژن
۶ جون ۱۹۹۶ء

پرتو خورشید

شاعری ایک ایسا فکری تحرک و عمل ہے جو انسان کی متمدن زندگی کے عصری شعور کی نہ صرف عکاسی کرتا ہے بلکہ روح عصر کی تفہیم و تشریح کی گراں قدر خدمت بھی انجام دیتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ ہر دور کے ادبی شہ پاروں میں اس دور کی جملہ خصوصیات کی جھلک صاف نظر آتی ہے ۔ جہاں انسان کی ناتمامی و ناکامی ارتقائے حیات کی محرک اور انسان کے ذوق سفر کی دلیل ہے وہاں دوسرے تخلیقی فنون کی طرح شاعری بھی انسانی زندگی کے حقائق کا کھوج لگانے اور انسان کو جادہ ارتقاء پر گامزن رکھنے کے لیے بے چین و مضطرب رہتی ہے ۔ ظاہر ہے کہ انسانی زندگی کو خانوں میں بانٹا جا سکتا ہے مگر آفاقی صداقتوں کی حامل شاعری کو نہیں، اس لیے کہ شاعری دنیا کی وہ مادری زبان ہے جس کے دامن میں صدیوں کی آرزوؤں کا ترفع، جذبوں کا تحرک اور محرومیوں کا احتساب سمٹا ہوا ہوتا ہے ۔ دنیا بھر کے اہل دانش اس مادری زبان پر نقد و نظر کر کے اس کی اہمیت اور فضیلت کا اعتراف کرتے رہے ہیں اور کرتے رہیں گے کیونکہ عظیم ترین اور آفاقی اقدار کی حامل شاعری ہمیشہ شاعر کی شخصیت اور زمان و مکان سے اتنی آگے ہوتی ہے کہ ہم اس کا شمار مظاہر فطرت میں کر سکتے ہیں۔ شعری خلاقی کی ان آفاقی اقدار کا ایک خوبصورت مرقع کلام فرید ہے ۔ سرائیکی زبان کے مزاج سے شناسا ہر شخص فرید کی شاعری کا مطالعہ کرتے ہوئے آگہی کے اس مقام پر پہنچ جاتا ہے. جہاں اسے اعلیٰ انسانی اقدار کی حامل یہ شاعری وجدانی اور الہامی محسوس ہوتی ہے اور فرید کی شاعری کا بنیادی تصور اور جذبہ خیر ہی خیر نظر آتا ہے ۔ اس حوالے سے کلام فرید سے بے شمار مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں لیکن میں نے اس مضمون میں اس سے اجتناب برتا ہے کیونکہ جناب خورشید ناظر نے زیر نظر کتاب میں یہ کام بہت خوش اسلوبی سے انجام دیا ہے ۔

بڑے شاعر کی ایک پہچان یہ ہے کہ وہ جس صنف سخن میں طبع آزمائی کرے اس کے ان اعلیٰ امکانات کو واضح اور متعین کر دے جو اس سے پہلے نامعلوم یا ناممکن سمجھے

جاتے تھے ۔ اردو میں یہ کارنامہ بلاشبہ میر، غالب اور اقبال کا ہے اور سرائیکی میں یہ فضیلت خواجہ فرید کو ہی حاصل ہے ۔ اردو کے ان تینوں بڑے شعراء کے فکروفن کو سمجھنے کے لیے بین الاقوامی سطح پر بہت کچھ لکھا گیا ہے مگر کلام فرید کو مقامی سطح سے اوپر دیکھنے اور پرکھنے کی کوئی سنجیدہ کاوش نظر نہیں آتی۔ اسی احساس کے تحت جناب خورشید ناظر نے اس کتاب میں کلام فرید کو ادب عالیہ کے مشہور علماء کے اعلیٰ و ارفع شاعری کے افکار و معیارات کی میزان پر تول کر نہایت کامیابی سے یہ ثابت کیا ہے کہ اعلیٰ و ارفع شاعری ہر زبان میں ممکن ہے کیونکہ شعروشاعری حکمت و دانائی کا شعور کے بغیر ممکن نہیں اور حکمت بوتل کا جن نہیں ہے، جنگل کی خوشبو ہے جسے آپ قید نہیں کر سکتے ۔ جناب خورشید ناظر کے کلام فرید کے اس منفرد مطالعے کا برصغیر کے تنقیدی سرمایے کے حوالے سے موازنہ کیا جائے تو اس کتاب کے پیش لفظ میں ان کا یہ دعویٰ یقیناً صداقت پر مبنی نظر آتا ہے ۔

> "یوں تو ہمیشہ ہوا کہ کسی تخلیق کار کے فن یا شخصیت پر مختلف صاحبان علم و دانش نے اپنے خیالات کا اظہار کیا لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا کہ مشہور عالم مغربی ناقدین کی طرف سے اعلیٰ و ارفع شاعری کے لیے دیے گئے معیارات کو سامنے رکھ کر کسی ایک شاعر کی شاعری کو اس طرح پرکھا گیا ہو۔ اس لیے میں نہایت اعتماد اور انکسار کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ میں نے فن تنقید میں ایک نیا راستہ اختیار کیا ہے، ایک ایسا راستہ جو میں نے خود بنایا ہے "

کلام فرید کے اس تجزیاتی مطالعے کے لیے جناب خورشید ناظر نے اعلیٰ و ارفع شاعری کے حوالے سے جن مغربی علماء اور ناقدین کے شعری نظریات کو پیش نظر رکھا ہے ان میں سے ہر نام معتبر اور دنیائے شعروادب میں اپنا خاص مقام و مرتبہ رکھتا ہے۔ ہومر، افلاطون، ارسطو، لانجائنس، دانتے، فلپ سڈنی، بن جانسن، جان ڈرائیڈن، ورڈزورتھ اور کولرج جیسے اہل فکر و دانش کی فہرست پر نظر ڈالتے ہی جناب خورشید ناظر کے مشکل کام کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ ان میں سے ہر نقاد شاعری کے لیے ایک مخصوص نقطہ نظر رکھتا ہے۔

اگر چہ چند شعری خصوصیات اور رویے بیشتر کے ہاں مشترک ہیں، پھر بھی اگر مختصراً دیکھا جائے تو ہومر شاعری کو ایک ایسی الہامی صداقت قرار دیتا ہے جو مسرت و شادمانی کی امین ہوتی ہے اور افلاطون دیوتاؤں کی ثنا خوانی کو شاعری کا منصب قرار دیتے ہوئے شعری تحریک میں فکری ترفع کا قائل ہے۔ ارسطو نے شعروادب کے جمالیاتی پہلو کے ساتھ ساتھ تکنیکی انداز کو بھی اہمیت دی ہے تو لانجائنس عظمت خیال، طغیان جذبات، علم بدیع اور شوکت الفاظ و زبان کو شاعری کی بنیادی قدر قرار دیتا ہے۔ دانتے مادری زبان کو اظہار کا بہترین ذریعہ اور عامیانہ الفاظ اور انداز اظہار کو اعلیٰ شاعری کے لیے تہمت سمجھتا ہے۔ فلپ سڈنی اعلیٰ شاعری کے سبق آموز، جوش تخیل اور توانا اسلوب کو انسانی فطرت کے مطابق خیال کرتا ہے۔ اگر ایک طرف بن جانسن شاعری کے سبق آموز پہلو کے ساتھ شاعر کے صاحب سیرت و کردار ہونے پر زور دیتا ہے تو دوسری طرف جان ڈرائیڈن کے نزدیک اچھی شاعری زندگی کی منصفانہ عکاسی کرنے کے ساتھ ایک ایسے درس حیات کی حامل ہوتی ہے جو مسرت بخش اور بصیرت افروز ہو جبکہ ورڈزورتھ شاعری میں تصنع اور بناوٹ سے نفرت کرتا ہے اور شاعری کو علم کی "روح لطیف" قرار دیتے ہوئے سادہ زبان کے باوقار استعمال کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ کتاب کے آخر میں کولرج کے نظریات کی روشنی میں کلام فرید کا جائزہ پیش کیا گیا ہے جو شاعری کو فطرت سے ہم آہنگی کا نام دیتا ہے اور ترنم، وفور جذبات، افکار کی گہرائی اور توانائی کو شاعری کی جان قرار دیتا ہے۔

اعلیٰ و ارفع شاعری کے بارے میں ان اکابرین علم و فن کے خیالات و نظریات کو سامنے رکھ کر جناب خورشید ناظر نے عالمانہ بالغ نظری، محققانہ جانکاہی اور غیر جانبدارانہ بصیرت و بصارت سے کلام فرید کا تجزیاتی مطالعہ اور انتقادی جائزہ جس کامیابی سے پیش کیا ہے، اس سے نہ صرف ان کی عالمی ادبی رویوں سے شناسائی و آگہی پر روشنی پڑتی ہے بلکہ ان کے تنقیدی و تحقیقی شعور کی پختگی پر بھی ایمان لانا پڑتا ہے اور سب سے اہم بات یہ کہ جناب خورشید ناظر کی کلام فرید سے وابستگی و شیفتگی اور اپنی مادری زبان سے بے پناہ محبت کا ایک فطری جذبہ و احساس بھی قاری کو متاثر کرتا ہے۔ کلام فرید اور جناب خورشید ناظر کی اس کامیاب کاوش کے مطالعے کے بعد میرا تاثر ہے کہ خواجہ غلام فرید کی

شخصیت جن اعلیٰ انسانی اقدار اور دل گداختہ کی حامل ہے اس کی ایک واضح جھلک کلام فرید میں موجود ہے اور دوسری طرف وہ جس منصب رشد و ہدایت پر فائز اور جادہ سلوک کی جن منزلوں کے راہی ہیں ان کا پر تو ان کے عارفانہ کلام میں نمایاں طور پر دیکھا جا سکتا ہے ۔ پھر خواجہ فرید کی شاعری جوش حیات، جوش فکر اور جوش جذبات کی شاعری ہے جس میں رومانوی احساس ، فکر کے پہلو بہ پہلو چل کر قاری کو ایک تفرح اور ترفع کے ساتھ ساتھ روح کی تازگی و بالیدگی کی نعمت سے سرفراز کرتا ہے ۔ جن اعلیٰ و ارفع انسانی اقدار کا دنیا بھر کے اہل دانش و بینش پرچار کرتے ہیں وہ دیوان فرید کی کافیوں میں جابجا جواہر ریزوں کی صورت میں بکھرے نظر آتے ہیں۔ خواجہ فرید کا عارفانہ اور آفاقی صداقتوں کا ترجمان و عکاس کلام پڑھ کر یقین کرنا پڑتا ہے کہ صوفیانہ طرز فکر سائنس کے استدراکی ، استدلالی اور تجزیاتی طرز فکر کے برخلاف وجدانی اور الہامی ہوتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ صوفی کا علم مشاہدے کے ساتھ ساتھ تجلیات کی کرشمہ گری کا نتیجہ بھی ہوتا ہے جو عقل کی نارسائی کے دشت بیکراں یا وہم و گمان کی شب تار میں کوندے کی طرح لپک کر اس پر اصل حقیقت منکشف کر دیتا ہے ۔ جناب خورشید ناظر کا کمال فن یہ ہے کہ انہوں نے اس انکشاف حقیقت کو ادب کی مسلمہ آفاقی اقدار کی کسوٹی پر پرکھ کر کلام فرید کی آفاقی حیثیت کو کامیابی و کامرانی سے پیش کرنے میں اپنی علمی بصیرت اور تنقیدی شعور کا بھرپور مظاہرہ کیا ہے ۔"

ہر زبان کے اہل دانش اس بات پر متفق ہیں کہ شعر و ادب کی توانائی، معیار اور حیثیت و مرتبہ تخلیقات کی تعداد پر منحصر نہیں ہوتا بلکہ شاعری کا فکری پہلو، جذبے کی توانائی و فراوانی، احساس کی گہرائی اور قدرت اظہار ہی اس کے بنیادی عناصر شمار ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس جس ادب میں سطحیت نمایاں ہوگی وہ لمبی عمر اور زندگی پانے پر قادر نہیں ہوتا۔ پھر یہ بات اپنے طور پر اہم ہے کہ تخلیقی ادب جذبے اور علم کے بعد کو کم کرکے قاری کو آسودگی کی نعمت سے سرفراز کرتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ قاری کی شاعر سے یہ توقع جائز اور بجا ہے کہ شاعر یا تو انسانی تجربات کے انوکھے پہلوؤں کو بیان کرے یا پھر معمولی باتوں کو غیر معمولی اسلوب میں ظاہر کرے ۔ ان حالات میں ایک اچھے نقاد اور

شارح کا کام اور بھی مشکل ہوجاتا ہے کہ وہ شاعر کے ان انوکھے پہلوؤں اور غیر معمولی اسلوب کی نشاندہی کرے ۔ جناب خورشید ناظر نے مشاہیر عالم کے نظریات کی روشنی میں کلام فرید کے انوکھے اور غیر معمولی پہلوؤں کو رواں دواں انداز میں بڑی ہی سہولت سے بیان کر کے نہ صرف کلام فرید کو بین الاقوامی ادبی منظر نامے پر نمایاں کیا ہے بلکہ اپنے اس منفرد کام سے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ بڑی اور اعلیٰ و ارفع شاعری کے لیے ترقی یافتہ زبان کا پیمانہ اہمیت نہیں رکھتا اور اس سلسلے میں شاعر کی اپنے نظریہ حیات سے وابستگی اور عصری شعور کا مہذب و شائستہ اور اک ہی کلیدی کردار ادا کرتا ہے ۔

1 حرف آخر کے طور پر مجھے یہ بھی عرض کرنا ہے کہ ہم عصری کی سب سے بڑی خوبی اور ایک حوالے سے خرابی یہ ہے کہ انسان خود بھی اس عمل اور معروضی حوالے کا حصہ ہوتا ہے جس کے بارے میں وہ رائے دیتا ہے ۔ اس لیے ذاتی سطح پر موجود تعصبات کی جھلک تجزیہ میں ضرور آ جاتی ہے یا ایسا سمجھ لیا جاتا ہے کیونکہ آج کی تہہ در تہہ زندگی میں انسانی تجربہ اتنا سادہ نہیں کہ دو اور دو چار میں سمٹ جائے ۔ فکر اور جذبہ کی اتنی سمتیں اور پہلو ہیں جتنے انسان۔ خود شناسی خود انسان کے اپنے بس میں نہیں رہی۔ یہی وجہ ہے کہ آج کی ادبی دنیا میں اپنی انا کے غباروں میں خود پرستی اور خود ستائشی کی ہوا بھر کر نمایاں ہونے کی کوشش کرنے والوں کی کمی نہیں جبکہ شاعری ایک اچھے شاعر کی باطنی مجبوری ہے جس کا اظہار بہرحال اور بہر طور ضروری ہے اور شاعری کا احساس و شعور خورشید ناظر جیسے ہر بالغ نظر ناقد پر وہ قرض ہے جس کا اتارا جانا فرض کی حیثیت رکھتا ہے ۔ مقام اطمینان ہے کہ خورشید ناظر نے یہ قرض پورے طور پر اتارنے میں زیادہ تاخیر نہیں کی۔

پروفیسر ڈاکٹر انور صابر
بہاول پور
یکم جون 1996ء

پہلی بات

منہ چھوٹا اور بات بڑی ہے لیکن حقیقت یہی ہے کہ ادب میں آج تک کسی ایک شاعر کو نقد کے آئینے میں اس طرح نہیں دیکھا گیا جس طرح زیر نظر کتاب میں فرید کا جائزہ لیا گیا ہے ۔ یوں تو ہمیشہ ہوا کہ کسی تخلیق کار کے فن یا شخصیت پر مختلف صاحبان علم و دانش نے اپنے خیالات کا اظہار کیا لیکن ایسا کبھی نہیں ہوا کہ مختلف مشہور عالم مغربی ناقدین کی طرف سے اعلیٰ و ارفع شاعری کے لیے دیئے گئے معیارات کو سامنے رکھ کر کسی ایک شاعر کی شاعری کو اس طرح پرکھا گیا ہو۔ اس لیے میں نہایت اعتماد اور انکسار کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ میں نے فن تنقید میں ایک نیا راستہ اختیار کیا ہے، ایک ایسا راستہ جو میں نے خود بنایا ہے ۔ مجھے یقین ہے کہ فن کو پرکھنے کا یہ انداز اہل علم کو پسند آئے گا اور اس سے فن تنقید کو بھی ایک نئی جہت اور وسعت ملے گی۔

ہر چند فرید کی شخصیت کے سبھی پہلو میرے سامنے ہیں لیکن اس کتاب کو تحریر کرتے ہوئے صرف شاعر فرید ہی میرے سامنے رہا ۔ اس کی شاعری کا جائزہ لیتے ہوئے میں نے عقیدت کا وہ عنصر قطعی طور پر نظر انداز کیا جو عام طور پر ایسی شخصیات کے فن کے جائزے کے وقت پیش نظر رہتا ہے ۔ اس لیے میں کہہ سکتا ہوں کہ میں نے جو کچھ لکھا ہے، کسی عقیدت کے تحت نہیں بلکہ اپنی علمی استعداد اور تنقیدی شعور کے مطابق لکھا ہے۔ میں یہ ہرگز نہیں کہتا کہ فرید کی شاعری میں کہیں کوئی فنی خامی نہیں ہے لیکن میں نے جس موضوع پر قلم اٹھایا ہے، کلام فرید میں پائی جانے والی معمولی فنی خامیاں اس کے احاطے اور دائرے میں نہیں آتیں کیونکہ اہل مغرب کا معیار نقد کئی لحاظ سے اہل مشرق کے معیار نقد سے قطعی طور پر مختلف ہے ۔ ہمارے ہاں جن باتوں پر لفظوں کی جنگیں چھڑ جاتی ہیں، مغربی ناقدین کے یہاں ان باتوں کی عام طور پر کوئی اہمیت ہی نہیں۔ اس لیے اگر کوئی صاحب فن اس کتاب کو صرف اسی حوالے سے پڑھنا چاہے تو اسے اس کتاب میں اس طرح کا مواد نہیں مل پائے گا۔ میرا ارادہ ہے کہ اگر مجھے وقت ملا تو میں

فرید سے متعلق ایسے دلچسپ موضوعات پر ضرور قلم اٹھائیں گا۔

اس کتاب میں یہ طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ اس میں شامل سبھی ناقدین کا پہلے سرسری تعارف کرایا گیا ہے اور پھر ان کے کام اور تنقیدی نظریات کو اختصار کے ساتھ بیان کر کے ان کی طرف سے اعلیٰ وارفع شاعری کے لئے وضع کیے گئے معیارات کا انہی کے نظریات کے آئینے میں تعین کیا گیا ہے اور آخر میں ان معیارات کی روشنی میں فرید کی شاعری کو تبصرے اور امثال کے ذریعے پرکھا گیا ہے ۔ اس کتاب کے دو مختصر ابواب مضامین کی صورت میں ایک نامور ادبی رسالے میں پہلے ہی چھپ چکے ہیں جن پر نظر ثانی کی گئی ہے جبکہ بقیہ سارا مواد غیر مطبوعہ ہے ۔

فرید نے کئی زبانوں میں شاعری کی ہے مثلاً سرائیکی، سندھی، اردو اور ہندی وغیرہ۔ یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ اس کتاب میں صرف اس کی سرائیکی شاعری ہی کا جائزہ لیا گیا ہے ۔ اس لئے پوری کتاب میں جہاں جہاں کلام فرید، فرید کی شاعری یا فرید کی پوری شاعری جیسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں، ان سے فرید کی صرف سرائیکی شاعری ہی مراد ہے ۔

مغربی ناقدین کے مطالعے کے دوران یہ بات بھی سامنے آئی ہے کہ ان ناقدین کی طرف سے اعلیٰ و ارفع شاعری کے لیے جو معیارات وضع کیے گئے ہیں ان میں سے بعض کے مابین مطابقت یا مماثلت کی صورت پیدا ہو گئی ہے ۔ میں نے قارئین کو گذشتہ حوالوں کی زحمت سے بچانے کے لیے ایسے ہر مرحلے کو نئی امثال اور مختصر تبصروں سے آگے بڑھایا ہے البتہ فرید کے کلام میں صنائع بدائع کا جہاں جہاں تذکرہ آئے تو اس موضوع کے ذیل میں لانجائنس کے حوالے سے کی جانے والی بحث کا مطالعہ کیا جائے کیونکہ اگر یہی تفصیل دوسرے ناقدین پر مباحث کے درمیان درج کی جاتی تو اسے یقینی طور پر بے جا تکرار اور زوائد میں شمار کیا جاتا۔ اس کتاب میں قارئین کو امثال کے ذیل میں کہیں کہیں تکرار کا سامنا کرنا پڑے گا کیونکہ ایک طرف تو اس تکرار کے بغیر موضوع سے انصاف ممکن ہی نہیں تھا اور دوسری طرف بعض کافیوں کے مطلعے محض اس لئے بار بار درج کرنے پڑے کہ اگر کوئی قاری پوری کافی کا مطالعہ کرنا چاہے تو اسے دیوان میں سے وہ کافی تلاش کرنے میں دقت نہ ہو۔ مطلع کے بعد اکثر و بیشتر جو بند درج کیا گیا ہے وہ سابقہ

مثال سے مختلف ہے۔

کلام فرید کا جائزہ لیتے ہوئے میں نے جب بھی مغربی ناقدین کے نظریات پر بحث کی ہے، میرے پیش نظر یہ بات رہی ہے کہ ان ناقدین کے بارے میں صرف اتنا ہی لکھا جائے کہ جس کا تعلق کتاب کے موضوع سے ہے یا پھر اس بحث سے ادب سے دلچسپی رکھنے والا ہر قاری ان ناقدین کی سطح اور نظریات سے کسی الجھن کے بغیر واقفیت حاصل کرلے۔ مجھے یقین ہے کہ ان مباحث سے جہاں ایک طرف فرید کی شاعری کے مقام کو عالمی ادب کے تناظر میں سمجھنے میں مدد ملے گی وہاں دوسری طرف ان ناقدین اور ان کے نظریات کے بارے میں بھی ابہام کی کوئی صورت باقی نہیں رہے گی۔ مغربی ناقدین اور ان کے نظریات و خیالات کے سلسلے میں میں نے سارا مواد کچھ انگریزی کتب، مختلف جرائد میں چھپنے والے مضامین اور ان اردو کتابوں سے لیا ہے جو مغربی ناقدین کے سلسلے میں اب تک تحریر ہوئی ہیں۔ ان میں ڈاکٹر سجاد باقر رضوی، ڈاکٹر سید عبداللہ، ڈاکٹر جمیل جالبی اور پروفیسر عابد صدیق کی کتب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جہاں تک مثالوں میں درج کئے جانے والے کلام فرید کا تعلق ہے تو اس کے لئے عام طور پر صدیق طاہر اور مولانا عزیز الرحمٰن عزیز کے مرتب کئے ہوئے دیوان ہی میرے سامنے رہے۔

آخر میں میں جناب طارق محمود صاحب، صدر اردو اکیڈمی و کمشنر بہاول پور، جو خود ایک صاحب طرز ادیب، دانشور اور افسانہ نگار ہیں، شاہد حسن رضوی سیکرٹری اور تمام اراکین اردو اکیڈمی بہاول پور کا ممنون ہوں جنہوں نے فرید پر ہونے والے اس کام کی اشاعت کا اہتمام کیا۔ میں اپنے عزیز دوستوں پروفیسر ڈاکٹر انور صابر، پروفیسر سید سعید احمد اور جناب جمیل بھٹی صاحب ایڈمنسٹریٹر رائل کیڈٹ سکول بہاول پور کا بھی شکر گزار ہوں کہ جنہوں نے مختلف مراحل اور معاملات میں مجھ سے تعاون کیا۔

خورشید ناظر
۶۸۱ - سی سٹلائیٹ ٹاؤن
بہاول پور

فرید اور ہومر

تاریخ ادب میں ہومر وہ پہلا شاعر ہے جو اپنے کلام میں ہمیں فن کے مقصد اور منصب کے بارے میں واضح اشارات دیتا ہے ۔ ہر چند وہ اپنے کلام میں فن کی ماہیت پر بحث نہیں کرتا لیکن فن کی نوعیت اور مقصد کے بارے میں اس نے جو اشارات دیئے ہیں وہ فن تنقید میں اساس کی حیثیت رکھتے ہیں۔ وہ کہتا ہے ۔

۱۔ شاعری کی دیوی شاعر سے بے حد پیار کرتی ہے ۔ شاعر اس کے چہیتے ہوتے ہیں۔ وہ ان سے بصارت چھین کر انہیں سریلے نغمے بخش دیتی ہے ۔

۲۔ شاعر جو نغمے کہتا ہے ، ان کی تحریک اسے دیوتاؤں سے ہوتی ہے یعنی اس کی یہ صلاحیت الہامی ہوتی ہے ۔

۳۔ شاعر اپنے نغموں سے دلوں کو شادمانی، مسرت اور سکون سے ہمکنار کرتا ہے ۔

۴۔ چونکہ شاعر کی ہر بات الہامی ہوتی ہے اس لیے اس میں صداقت ایک یقینی عنصر کی حیثیت سے شامل ہوتی ہے ۔

ہومر نے فن کے مقصد اور منصب کے بارے میں جو واضح اشارات دیے ہیں ان کے مطالعے کے بعد جب ہم فرید کی شاعری کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں یہ رائے قائم کرنے میں قطعی کسی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑتا کہ وہ ایک ایسا شاعر ہے جس کی شاعری میں ہومر کے تنقیدی اشارات کی مکمل عملی صورت دکھائی دیتی ہے ۔

ہومر ہمیں سب سے پہلے اعلیٰ و ارفع شاعری کے لیے جو معیار مہیا کرتا ہے ، اس کے مطابق وہ شاعر یقیناً شاعری کی دیوی کا چہیتا ہوتا ہے جو سریلے نغمے تخلیق کرتا ہے ۔ جب ہم اس کے دیے ہوئے معیار کو سامنے رکھ کر فرید کی شاعری کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ اس کی شاعری کا ہر لفظ رس میں ڈوبا ہوا ہے اور ہر مصرعہ اپنے

اندر نغمگی کا ایک اعلیٰ معیار سمیٹے ہوئے ہے ۔ فرید کی شاعری میں استعمال ہونے والے الفاظ اور تراکیب اپنے قاری یا سامع پر کچھ اس طرح کا تاثر چھوڑتی ہیں جیسے کوئی مسافر چاندنی رات میں تنہا محوِ سفر ہے اور اس سے ذرا ہٹ کر ستار کی ایک مدھم سریلی آواز اس کے ساتھ ساتھ چل رہی ہے یا پھر یوں محسوس ہوتا ہے کہ کسی جھرنے سے پانی ماحول میں ایک لطیف تاثر بکھیرتا ہوا گر رہا ہے ۔ اس کی شاعری میں کہیں تو پرکشش مناظر کا عکس دکھائی دیتا ہے اور کہیں یوں لگتا ہے کہ جیسے رات کا پچھلا پہر ہے اور بہت دور سے بانسری کی سریلی آواز بتدریج نزدیک آ رہی ہے ۔ فرید کی شاعری دراصل رنگ و خوشبو کی شاعری ہے ۔ اس کی شاعری میں رنگوں کا ایک دریا بہتا ہوا دکھائی دیتا ہے اور اس کے مطالعے سے یوں بھی محسوس ہوتا ہے کہ جیسے برکھا رت میں پھوار پڑنے سے ماحول میں چار سو مٹی کی سوندھی سوندھی خوشبو پھیل گئی ہے ۔ فرید کی شاعری رس اور مٹھاس کی وہ لہر ہے جو اپنے قاری کو بے کیف زندگی سے اٹھا کر وادیِ الفاظ کے پرکیف مناظر کے لامتناہی سلسلے کے درمیان لا کھڑا کرتی ہے ۔

بدلیں جُز گھنگھور مچائی   پھوگیں لائیں ننگی چائی
ناز کریندی لائی لائی   عارف عبرت کھاندے ہن
بینسر بولے بینے ٹھمکن   والیاں والے جھمکے جھمکن
کڑیاں تورے پیریں گھمکن   زیور تریور ٹھہندے ہن

◆◆◆◆

سوہٹیاں ٹھیریاں ٹبڑے بھوڑے   بازو والے کنگرے وڑے
بانہیں ٹوبھے پاڑے گھوڑے   ڈھولیں ڈکھڑا ووں ہے یار

◆◆◆◆

ارج زیور پئے ٹھاہندے ہن
متاں ڈینھ سہاگ دے آندے ہن
کجلا مارو دیداں بھالے   سرخی مسک مسک غم ٹالے
بولے بینے تے کٹالے   سبھوں لگے کھاندے ہن

◆◆◆◆

اوکھیاں گھاٹیاں گاٹیاں چاٹیاں لاہیاں چاڑھیاں سبھ اٹھ کاٹھیاں
بچڑوں کھیڑوں سو سو غار

♦♦♦♦

اساں کنوں دل چاہیوے یار
چاپے کتھاں وِنج لائیوے یار
یار بروچل کیچ دا والی کینو حال کنوں بے حالی
برہت روہ رلایو وے یار
آپے شہر بھنبھور ڈِوں آیوں یاری لا کر چھوڑ سدھایوں
مفتا کوڑ کمایو وے یار

♦♦♦♦

پنل چھوڑ کیچ سدھایوں
دلڑی خالی ہے زار زار
یاس پیاس نصیب اساڈے ناں کوئی ڈوبھے ناں کوئی تاڑے
ناں راہ ڈِسدم کرہوں قطار

♦♦♦♦

کجھ فریدا برہوں بھوں سرزور
آکھیاں ابلیاں دلڑیاں اکلیاں سینے پے شر شور
غمزے رہزن پلک مریلے ناز نگاہے چور
لور سراں وچ ڈور کناں وچ روندیں آکھیاں کور

♦♦♦♦

سک میتوال دی لوڑھ لڑھایم میں مسٹری من تاری وویار
کوجھی رات اندھاری وویار
ڈِے کر دلے کوڑ دلاسے لٹ بیٹو دل ساری وویار
میں واری لکھ واری وویار

♦♦♦♦

فرید کی شاعری میں جہاں ہمیں کیف و طرب، رنگ و خوشبو اور نغمگی و آہنگ سے بریز اشعار ملتے ہیں وہاں اس کی شاعری میں کرب اور کسک کی ایک ارفع کیفیت بھی پوری توانائی کے ساتھ موجود نظر آتی ہے۔ سچی بات تو یہ ہے کہ جب فرید ہجرو فراق کی بات کرتا ہے تو اس کے اشعار سے ایک طرف تو درد جھلکنے لگتا ہے اور دوسری طرف کلام میں سوزوگداز اپنے حیران کردینے والے انداز کی جانب ہمیں متوجہ کرتا ہے۔ جب وہ ہمیں کیف و طرب کے ماحول سے نکال کر وادی کرب میں لاکھڑا کرتا ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے ہم درد کی لہروں میں بہے چلے جاتے ہیں لیکن یہ بہاؤ نہایت لذت بخش اور مسحور کن ہے۔ کلام فرید کے مطالعے کے دوران میں اکثر اوقات یوں بھی محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کوئی باوقار شخص ہمیں اپنی سریلی آواز میں کسی سچی عشقیہ داستان کا وہ حصہ سنا رہا ہے جہاں دلوں کے مابین دیوار کھڑی کرکے انہیں ہجر کی آگ میں دھکیل دیا گیا ہے یا پھر فرقت کے ان کرب ناک لمحوں کا ذکر کیا جارہا ہے کہ جن کی کسک تیر بن کر دل میں اتر رہی ہے۔

سٹ سانول سجن سدھایا
سر سنجڑے سول ستایا
تتڑی کلہڑی تتڑی مٹڑی سانگ ہجر دی رلڑی
جندڑی جلڑی داڑی گجڑی لگڑی اگ کلڑی
بیڑ اوڑی نیڑے گھڑی پل پل پور پرایا

●●●●

کیہیں ڈکھڑی لایم یاری
روندیں عمر گذاریم ساری
میتوال نال نہ کیتم چھٹڑ کلڑی تال نہ تتم
بھر جام ڈکھاں دا پیتم پیش آئی شہر خواری
جی جانی کارن لوہندا غم، درد الم نت کوہندا
جگ بار غماں دا سوہندا سر سہرے مونجھ مونجھاری

●●●●

عشق نہیں ہے نار غضب دی تن من کیتس کولے
سولاں سڑویں، آہیں بھر دیں ساری عمر نبھیوے
نہ غم خوار نہ کوئی ساتھی، نہ کوئی حال ونڈاوے
عشق جیہاں ڈکھ ہور نہ کوئی ما ہیو وری تھیوے

••••

پربت رولے ، جھگڑے جھولے — غم دے سانگ سنگولے
سوز سولے ، یار نہ کولے — جیڑا جل بل کولے
عشق گولے تھم نہ اولے — دم دم روگ سوایا

••••

توں باجھوں سانول گھر وچ — ہاں بے شک حت سفر وچ
تھل مارو سنجڑے بر وچ — ہم سختی روز سوائی
کل سرے یار کمانڈے — کل ناز نواز وہانڈے
بجے جوش جوانی مانڈے — گیا وجھ وچ فخر وڈائی

••••

میں باری منتاری ہاری — کاری موجھ موجھاری
درداں ماری کرم نہ کاری — الٹا تروڑم یاری
انگ ازاری اکھیاں زاری — جو لکھیا سو پایا

••••

فرید کی شاعری کا مطالعہ کرتے ہوئے یوں لگتا ہے کہ جیسے اس نے اپنا ہر لفظ کسی غیر مرئی ہستی کے حکم سے تحریر کیا ہو۔ اس کا ہر شعر صداقتوں کا بیان اور اس میں شامل ہر لفظ رنگ و خوشبو کا ایک ایسا بصیرت افروز مرقع ہے جو بے حد مسرت و سکون بخش ہے۔ اس کی پوری شاعری سریلی آوازوں کا مجموعہ لگتی ہے جو سماعت پر ہمیشہ کبھی نہ بھولنے والا تاثر چھوڑتی ہے۔ شاعر کا یہی وصف ہومر کے نزدیک اسے دیوتاؤں کی تحریک پر چھیڑے جانے والے صداقت لبریز الہامی نغمات کا خالق بنا دیتا ہے۔

فرید چاہے ہمیں پر مسرت و پر کیف نغمے سنائے یا داستان کرب و الم، اس کا ہر لہراز ہمیں لذت بخش معلوم ہوتا ہے۔ اس کی شاعری کا مطالعہ کرتے ہوئے ہم احساس ذات سے بیگانہ الفاظ اور تراکیب کے بہاؤ کے ساتھ اس طرح آگے بڑھتے چلے جاتے ہیں کہ طویل مسافت بھی چند لمحات میں کٹ جاتی ہے۔ اس کی شاعری میں بیان کی وہ توانائی دکھائی دیتی ہے جسے دیکھ کر یہ کہنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں ہوتی کہ یہ مضامین غیب سے اترے ہیں۔ کلام فرید پڑھتے وقت ہم خود کو رنگ و نور کی عجب دنیا میں محو سفر محسوس کرتے ہیں جہاں ایک طرف مسرت ہے تو دوسری طرف درد وغم۔ فرید کی شاعری کی یہی خصوصیات اسے وہ شاعر بنا دیتی ہیں جو فن کے مقصد اور منصب کی ہومر کے دیئے گئے معیارات کے عین مطابق تکمیل کرتا ہے۔

♦♦♦♦

فرید اور افلاطون

افلاطون نے اپنی کتاب "ریاست اور قانون" میں جو اس نے اخلاقی طور پر تنزل پذیر معاشرے کی رہنمائی کے لیے لکھی، جہاں دوسرے کئی اہم معاملات پر بحث کی ہے وہاں اس نے شاعری کے نقائص و خصائل اور محزب و محاسن پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے۔ افلاطون کے تنقیدی اصولوں کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شاعروں اور شاعری دونوں کے خلاف ہے۔ اس کا خیال ہے کہ شاعر لوگوں کے پست جذبات کو ابھار کر معاشرے میں لاقانونیت، بدتہذیبی اور بدذوقی پیدا کرنے کا موجب بنتے ہیں۔ وہ اپنے دور میں موجود اس خیال کی بھی تردید کرتا ہوا نظر آتا ہے کہ اگر شاعری کی صحیح ترجمانی اور وضاحت کی جائے تو اس میں عظیم صداقتیں ملیں گی۔ اس طرح وہ شاعری کی تمثیلی اور علامتی حیثیتوں کو رد کرتا ہے۔ اس کے نزدیک شاعری صداقت کا سرچشمہ نہیں بلکہ شاعری کے تاثرات، اخلاقیات کی عظیم قدروں کے لئے ضرر رساں ہیں۔ افلاطون شاعری کو ایک نقل قرار دیتا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی وہ یہ بات بھی تسلیم کرتا ہے کہ نقل اور تقلید انسانی جبلت میں شامل ہے، پھر بھی اسے اعتراض ہے کہ نقالی اگر معاشرے کے برے کرداروں کی کی جائے تو ایسی نقالی اور تقلید کسی فرد کے کردار اور اس کی ذہنی بلندی کو نقصان پہنچاتی ہے۔

افلاطون شاعری اور مصوری کو ایک جیسا فن خیال کرتا ہے۔ اس کے نزدیک شاعر الفاظ سے نقالی کرتا ہے جبکہ مصور وہی کام رنگوں سے لیتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ شاعر محض عکس پیش کرتا ہے، ایک ایسا عکس جو فطرت کو آئینہ دکھا کر حاصل کیا جا سکتا ہے اور یہ عکس غیر حقیقی کو حقیقت کا روپ دیتا ہے۔ وہ شاعری کی ڈرامائی اور رزمیہ اصناف کو بھی انسان کے جذباتی پہلو کے لئے مضرت رساں گردانتا ہے اور دلیل دیتا ہے کہ شاعری جذبات کو ٹھنڈا کرنے کی بجائے انہیں برانگیختہ کرتی ہے جس کے نتیجے میں نظم و

ضبط قائم نہیں رہتا ۔ اس کا خیال ہے کہ شاعری کے باعث جذبات کی عقل پر حکمرانی قائم ہوتی ہے جبکہ معاشرے کی فلاح اور نظم و ضبط کے لئے ضروری ہے کہ جذبات پر عقل کی حکمرانی ہونی چاہیئے ۔ یہی وجہ ہے کہ وہ شاعروں کو اپنی مثالی ریاست سے نکال دیتا ہے ۔

افلاطون شاعر اور شاعری پر جہاں اعتراض کرتا ہے وہاں ان کے محاسن کا بھی اعتراف کرتا ہے ۔ اس کے نزدیک ایک خاص قسم کی شاعری ہی قابل ستائش ہے ۔ اس نے اپنی مثالی ریاست میں صرف انہی شاعروں کے لئے گنجائش رکھی ہے جو اس کے وضع کردہ معیار پر پورے اترتے ہیں ۔ وہ اپنے مثالی شاعروں کے لئے ان اوصاف کو ضروری قرار دیتا ہے ۔

۱۔ شاعر دیوتاؤں اور مشاہیر کی ثنا کرتا ہو ۔

۲۔ شاعر ایسے رزمیے اور المیے لکھتا ہو جن میں اعلیٰ انسانی قدروں کا پرچار ملتا ہو یعنی وہ اپنی شاعری میں شجاعت ، اعتدال اور پاکیزگی کو موضوع بناتا ہو ۔

۳۔ اس کی شاعری میں الہامی اور وجدانی کیفیات کا اظہار ہو اور وہ حواس کی دنیا سے حقائق کی مثالی دنیا میں پہنچ جاتا ہو ۔

۴۔ افلاطون بنیادی طور پر نقالی کا نظریہ رکھتا ہے اس لئے اس کے خیال میں شاعر مثالی دنیا کی اعلیٰ انسانی صداقتوں کو موضوع سخن بناتا ہو جس سے انسانی کردار کی تشکیل میں مدد ملے ۔ اس کے نزدیک یہ کوئی اہم بات نہیں کہ اشیاء کیا ہیں بلکہ اہم بات یہ ہے کہ انہیں کیا ہونا چاہیئے ۔ اس لئے وہ شعری تحریک میں ترفع دیکھنا چاہتا ہے جو عام حالات میں ممکن نہیں ۔ افلاطون کے نزدیک وہی شاعری قابل قبول ہے جو اپنے قاری کو ترفع سے ہمکنار کرے ۔

۵۔ وہ فکر و خیال کو فن کا لازمہ قرار دیتا ہے ۔

۶۔ شاعر وحدت تاثیر کا مکمل خیال رکھتا ہو ۔ وہ تمام عناصر کو منظم کر کے ایک حصے کو دوسرے حصے سے ہم آہنگ کرنے کی مکمل

صلاحیت رکھتا ہو۔

اب ہم اعلیٰ و ارفع شاعری کے لئے افلاطون کے وضع کردہ معیارات کے آئینے میں فرید کی شاعری کو دیکھتے ہیں کہ وہ مذکورہ معیارات پر کس حد تک پوری اترتی ہے۔ افلاطون کے نزدیک سب سے پہلے وہ شاعری لائق ستائش اور قابل تحسین ہے جس میں دیوتاؤں اور مشاہیر کی ثنا موجود ہو۔ افلاطون نے لفظ دیوتا اپنے مذہب اور عقیدے کے مطابق استعمال کیا ہے لیکن جب ہم کسی شاعر کی شاعری کو اس وصف کے آئینے میں دیکھیں گے تو ہمیں اسے شاعر کے مذہب اور عقیدے کے مطابق پرکھنا ہوگا۔

جب ہم فرید کی شاعری کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں اس میں جا بجا معرفت کے موتی بکھرے ہوئے ملتے ہیں۔ وہ رب قدیر اور بزرگان کبیر کی حمد و ثنا کو اپنی شاعری کا بہت بڑا مقصد سمجھتا ہے۔ وہ جس گھرانے سے تعلق رکھتا ہے اور جس ماحول میں اس نے تربیت پائی ہے۔ اسے دیکھ کر بلا جھجک کہا جا سکتا ہے کہ وہ روحانیت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہے۔ بابا بلھے شاہ، حضرت شاہ حسین اور سلطان باہو کی طرح فرید پنجاب کا وہ شاعر ہے جس نے رب کریم، رسول مقبولؐ اور بزرگان دین کی حمد و ثنا کی وہ شمع روشن کی جو رہتی دنیا تک جگمگاتی رہے گی۔ اس کی کہی ہوئی حمد پڑھنے سے روح پر انوار کے دریچے کھلنے لگتے ہیں اور ہزار ہا رازہائے سربستہ منکشف ہونے لگتے ہیں۔ وہ وحدت کا ذکر کچھ اس انداز میں کرتا ہے کہ ان گنت پیچیدہ مسائل خود بخود حل ہوتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں

اے حسن حقیقی نور ازل
تینوں واجب تے امکان کہوں

تینوں خالق ذات قدیم کہوں — تینوں حادث خلق جہان کہوں
تینوں مطلق محض وجود کہوں — تینوں علمیہ اعیان کہوں
ارواح نفوس عقول مثال — اشباح عیان نہان کہوں
تینوں حسن قوی ادراک کہوں — تینوں ذوق کہوں وجدان کہوں
تسلیم کہوں، تلوین کہوں — تمکین کہوں، عرفان کہوں
کر توبہ ترت فرید سدا — ہر شے نوں پر نقصان کہوں
اے پاک الکھ بے عیب کہوں — اے حق بے نام نشان کہوں

••••

مندرجہ بالا اشعار جس کافی سے لئے گئے ہیں یہ ایک طویل کافی ہے جس میں فرید نے ایک الگ انداز میں ذات باری تعالیٰ کی تعریف کی ہے اور وہ ایسے ایسے نکات منظر عام پر لایا ہے کہ اس کے مطالعے اور علم پر مسرت آمیز حیرت ہوتی ہے ۔ ثنائے رب قدیر کا یہ انداز دیکھئے ۔

کجھ سنجانڑیں غیر نہ جانڑیں
سب صورت ہے عین ظہور

رکھ تصدیق نہ تھی آوارہ — کعبہ ، قبلہ ، دیر ، دوارہ
مسجد ، مندر ہکڑو نور

حسن ازل تھیا فاش مبین — ہر ہر گھاٹی وادی ایمن
ہر ہر پتھر ہے کوہ طور

تھئے ظاہر اسرار قدیمی — ہر ہر شاخ ہے نخل کلیمی
زیر ، زبر ، چپ ، راست ، حضور

شاہد ، واحد اصل فرع وچ — راز طریقت رسم شرع وچ
ہے مشہود نہیں مستور

♦♦♦♦

جو کجھ ہے ظاہر برملا — چانڑاں میں کینویں ماسوا
مرشد محقق وچ وچا — ہمہ اوست دا ڈتڑا سبق

♦♦♦♦

یار فرید عیاں بیانے — نحن و اقرب وچ فرقانے
ایہو عقیدہ دین ایمانے — توڑے پکڑ چڑھاون دار

♦♦♦♦

او دلبر بے چون و چگونہ — ناہیں جیندا مثل نمونہ
تسدا ہے بے شک تقرار — دنیا ، عقبیٰ ، مجلا مشہد

♦♦♦♦

فرید حمد خدائے جلیل کے لئے اپنا ایک الگ اور منفرد مقام رکھتا ہے ۔ وہ اپنے اردگرد موجود ہر شے میں خدا کو موجود پاتا ہے اور ہر زرے اور قطرے میں خدا کا وجود دیکھتا ہے ۔ وہ محسوس کرتا ہے کہ ہر شے سے نور خدا وندی جھلک رہا ہے اور کائنات کی کوئی چیز اس عمل سے باہر نہیں ۔ اسی طرح جب فرید حمد خدائے عزوجل کے بعد شان رسالت مآب بیان کرتا ہے تو اس کے اشعار کا ایک ایک لفظ باعث سکون قلب و نظر بن جاتا ہے ۔ وہ رتبہ رسول مقبول ؐاس طرح بیان کرتا ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے ۔

حسن ازل دا تھیا اظہار   احدوں ویس وٹا تھی احمدؐ

••••

غیب الغیب دے ویسوں آیا   شہر شہادت ورا لایا
احدیت دا گھنڈ اتار   تھیا اطلاقوں محض مقید
کیتا ازلی لطف ظہورا   سو سو شکر ملیا گر پورا
تھیا دل کوں تسکین قرار   ہوئے خطرات شکوک سبھے رد

••••

فرید کو جو عقیدت اور محبت رسول عربیؐ سے ہے ، اسے الفاظ میں بیان کرنا ناممکن ہے ۔ وہ شمع رسالت کا پروانہ اور شہر رسالت کا دیوانہ ہے ۔ وہ ہادی برحق سے اپنے عشق اور محبت کا یوں اظہار کرتا ہے ۔

اتھاں میں مٹھڑی جند جان بلب   او تاں خوش وسدا وچ ملک عرب
ہر ویلھے یار دی تانگھ لگی   سنجے سینے سک دی سانگ لگی
ڈکھی دلڑی دے ہتھ تانگھ لگی   تھئے ل ل سول سمولے سب
تتی تھی جوگن چودھار پھراں   ہند ، سندھ ، پنجاب تے ماڑ پھراں
سنج بار تے شہر بزار پھراں   متاں یار ملم کہیں سانگ سبب
توڑے دھکڑے دھوڑے کھاندڑی ہاں   تیڈڑے ناں توں مفت وکاندڑی ہاں
تیڈی باندیاں دی میں باندڑی ہاں   ہے در دیاں کتیاں نال ادب

••••

کتھے احمد شاہ رسولاں دا محبوب سبھے مقبولاں دا
استاد نفوس عقولاں دا سلطاناں دا سلطان آیا

♦♦♦♦

فرید حمد باری تعالیٰ اور ثنائے رسول مقبولؐ کے ساتھ ساتھ ذکر بزرگان دین کو بھی وظیفہ حیات گردانتا ہے ۔ اس کے نزدیک یہ وہ روشنی کے مینار ہیں جن سے منزلوں کی سمتوں کا تعین ہوتا ہے اور ان کے اتباع کے بغیر عظمتوں اور صداقتوں کا حصول محض خام خیالی ہے ۔ اسے یقین ہے کہ یہ لوگ حصول عرفان کا نہ صرف ذریعہ ہیں بلکہ ان کی تقلید انسان کو کردار کی معراج تک بھی پہنچا دیتی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ فرید انہیں ایک انوکھے انداز میں نذرانہ عقیدت پیش کرتا ہے ۔

دم مست قلندر ، مست قلندر
مست و مست الستی

نفس مقدس اہل سعادت علم عمل وچ رکھن سیادت
چھڈ کر ورد تے زہد عبادت نت کردے درد پرستی
صاف مبرا غیر خیالوں پاک عیالوں آلوں مالوں
راسخ وجدوں ذوقوں حالوں وہ وہ مستیں دی مستی
ازل ابد تک جانٹن واقف نعت رحمت سمجھن عارف
بجھن مکاشف محض مرادف کیا بالائی ، کیا پستی
جے توں چاہیں قرب حقیقی ورثہ علویؓ تے صدیقیؓ
ریت جنیدیؒ ، رسم شفیقیؒ بٹھ ہستی ، وٹ ہستی

♦♦♦♦

فرید صراط مستقیم پر چلنے کے لئے لازم سمجھتا ہے کہ اسے کسی صاحب نظر کی رہنمائی حاصل ہو ۔ اسے یقین ہے کہ بزرگان دین کی رہنمائی اور ان کے بتائے ہوئے راستوں پر چلے بغیر انسان منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔

کرن نظارے تیز نظر شالا جیویں نور وجود عیانے
ورد مبانی ، کشف معانی اہل ولیندا شانے
کتھ منصوری تے طیفوری کتھ سرمد صعانے

♦♦♦♦

وہ اپنے پیرو مرشد پر استواری کی حد تک یقین کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے ۔

فخر پیاتوں مل مل جانواں جیندے نال میں لدھیاں لانواں
اس دی ہو کر کیوں غم کھانواں سب کجھ یار سمجھایا ہے

♦♦♦♦

فخر جہاں ہک ریت سوجھائی ارضی تھیا یک بار سمائی
ظلمت بݨ گئی نورو نور

♦♦♦♦

اپنے مرشد سے بے مثال محبت کا عکس ۔

گھول گھتاں میں فخر جہاں توں جنت ، حور قصور

♦♦♦♦

ایک اور جگہ حضرت نور محمد خواجہؒ کی شان میں فرید کہتا ہے ۔

ساڈا دوست دلیں دا ، نور محمد خواجہؒ
ڈھولا یار جنیدا ، نور محمد خواجہؒ

ساری ساڈی شرم بھرم دا تیڈے ہتھ وچ لاجا
عرب دی تیڈی ، عجم دی تیڈی . سندھ پنجاب دا راجا
زمین زمن وچ وڈا گھڈا فیض تیڈے دا واجا

♦♦♦♦

فرید کی شاعری میں سے مندرجہ بالا چند مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ اس نے رب قدیر ، احمد مرسلؐ ، اصحاب نبیؐ اور بزرگان دین کی حمد و ثنا اور منقبت کے لئے ایک ایسا انداز اختیار کیا ہے جو صرف اسی کا حصہ ہے ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ افلاطون

کی طرف سے بیان کی گئی اس تعریف پر مکمل پورا اترتا ہے کہ شاعر کو دیوتاؤں اور مشاہیر کی ثنا کو اپنی شاعری کا موضوع بنانا چاہیئے ۔ فرید حمد باری تعالیٰ، ثنائے آقائے دوجہاں اور مدح بزرگان دین میں ایسا اسلوب اختیار کرتا ہے کہ جس سے اس کی اس ذیل میں انفرادیت کھل کر سامنے آتی ہے اور یہی وہ عمل ہے جس کا افلاطون اس سلسلے میں تقاضا کرتا ہے ۔

افلاطون کے نزدیک وہ شاعری بھی یقیناً لائق ستائش ہے جس میں اعلیٰ انسانی قدروں کا پرچار کیا گیا ہو یعنی جس میں پاکیزگی، شجاعت اور اعتدال وغیرہ کو موضوع بنایا گیا ہو ۔ افلاطون کے ان معیارات کے آئینے میں فرید کی شاعری کا جائزہ لینے سے پہلے ہماری نظر فرید کی زندگی پر پڑتی ہے ۔ ہم جانتے ہیں کہ وہ ایک اعلیٰ کردار کا حامل انسان ہے ۔ وہی انسان اعلیٰ انسانی قدروں کا اعتماد کے ساتھ پرچار کر سکتا ہے جو خود انسانیت کے اعلیٰ معیار کی پاسداری کرتا ہو اور بلندی کردار کا حامل ہو ۔ کون نہیں جانتا کہ فرید اپنی ذاتی زندگی میں اپنے علم، عمل، قول اور فعل سے خود کو اعلیٰ انسانی قدروں کا امین ثابت کرتا ہے کیونکہ وہ ان کی حقیقی روح سے پوری طرح واقف ہے ۔ اسی لئے اس نے اپنی شاعری کو ان اقدار کے پرچار کا اکثر و بیشتر ذریعہ بنایا ہے ۔ ہم اس کی شاعری میں جا بجا ایسے موتی بکھرے ہوئے دیکھتے ہیں جن میں ان قدروں کی نہ صرف ترجمانی و نشاندہی کی گئی ہے بلکہ ان پر عمل پیرا ہونے کی اشد ضرورت کو بھی واضح کیا گیا ہے ۔ فرید کی شاعری از اول تا آخر پاکیزگی کا وہ اعلیٰ نمونہ ہے جس کا مطالعہ باعث راحت قلب و نظر ہے ۔ کسی شاعری کی پاکیزگی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کے موضوعات کسی بھی طرح مخرب الاخلاق نہ ہوں ۔ ان کے مطالعے سے قاری کے اخلاق کا کوئی پہلو بلا واسطہ یا بالواسطہ طور پر منفی انداز میں متاثر نہ ہوتا ہو ۔ اس کے برعکس اس کے موضوعات حق و صداقت کی راہوں کی نشاندہی کرتے ہوں، ایسی راہوں کی کہ جن پر چل کر انسان اپنے کردار کی مثبت انداز میں ترویج کر سکے ۔ ایسی شاعری کا ایک بنیادی منصب یہ بھی ہو کہ وہ اپنے قاری کو اس کی تخلیق کے سبب اور زندگی کے حقائق سے بھی واقف کرے ۔ جہاں تک فرید کی شاعری کا تعلق ہے، اس میں مخرب الاخلاق موضوعات کا ہونا تو ایک طرف،

ان کا تصور بھی ایک گناہ محسوس ہوتا ہے۔ فرید کی شاعری کی پاکیزگی کے بارے میں اقبال نے کیا خوب بات کہی ہے۔

" جس قوم میں فرید اور اس کی شاعری موجود ہے ، اس قوم میں خلاف اخلاق باتوں کا موجود ہونا تعجب انگیز ہے۔ "

فرید ہمیں زندگی کی تاریک راہوں پر سے بحفاظت گزر جانے کے لئے روشنی مہیا کرتا ہے۔ اس کا کلام پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ وہ ہمارا ہاتھ پکڑ کر ہمیں صراط مستقیم پر لانا چاہتا ہے۔ وہ کہتا ہے

ہے غیرت زندگی پا ورثہ رکھ صدقی
کر جہد جہاد حقیقی بن مرد معلیٰ غازی

♦♦♦♦

یار کوں کر مسجود چھنڈ ڈے بیا معبود

♦♦♦♦

بٹھ وہم خطرے دی ادا ڈوجھا نہیں ہے ہک خدا
اندر تے باہر ہے سدا موجود حق ، موجود حق

♦♦♦♦

اپنی حقیقت گول توں بے کوں نہ اصلوں پھول توں
رکھ یاد اساڑا بول توں آنہیں نہ شک ، ہے محض یک

♦♦♦♦

ذاتاً فعلاً کل شے باطل حق ہے فاعل ہو سمجھ عاقل
ذوق ورائیں طور عقل دے بھٹ گھت کوڑی بحث دلائل
غیر محالے ویر خیالے ہر ہک ڈوں رکھ رافت شامل
باجھ محبت جانڑ برابر کیا ناطق کیا ناہق صاہل

♦♦♦♦

مذہب وجودی فرض ہے   بیوگل اجائی غرض ہے
دیدیم باچشم یقیں   حدا جنون العاشقیں

♦♦♦♦

بھٹ گھت اے تمبیس ابلیسی   اے دل سکھ تدریس ادریسی
تھی وارث فاران تے سین

♦♦♦♦

ان اشعار اور بندوں کے بعد جن میں فرید ندرت خیال اور پاکیزگی کے اعلیٰ نمونے پیش کر رہا ہے ہم ان ان گنت اشعار میں سے چند کی طرف آتے ہیں جن میں وہ حصول منزل مقصود کے لئے جہد مسلسل اور ان تھک محنت کی ترغیب دیتا ہوا نظر آتا ہے۔

تائیں مزن مناسب تھک تھک   جے سرڈیسیں ہے پک بے شک
برہوں دی بازی جیتی

♦♦♦♦

ایں راہ ڈو آویں نہ ہا   جے آئیں قدم پٹھو ڈینھہ ودھا
بچھوں تے نہ ڈیکھیں منہ والا   حیلہ کریں سر تئیں تئیں

♦♦♦♦

روہی محض بشارت درسوں   مرسوں بھرسوں مول نہ ڈرسوں
بے درداں دی دلڑی ترسوں   ڈینھ راتیں گھوں موں ہے یار

♦♦♦♦

ایک اور مقام پر تعمیر کردار کا راستہ دکھاتے ہوئے کہتا ہے۔

جے کوئی رکھسی اے گن چارے   جو راتی جگ جوگ جگارے
ونج خوش وسی شام دوارے   رہسی جم جم جگت سوں نیارے

♦♦♦♦

چرن گرو دے سیس نوائیں   جو آکھے جم اکھیاں چائیں
جہد جہاد دا بار اٹھائیں   قرب کمال ہی مطلب ہارا

♦♦♦♦

فرید کی شاعری کا مطالعہ کرتے ہوئے سرائیکی زبان ، لغت ، سرائیکی زبان کے لہجے کے اتار چڑھاؤ اور اسرار و رموز سے واقف شخص کے لئے اس نتیجے پر پہنچنا کچھ مشکل نہیں رہتا کہ فرید کی شاعری وجدانی اور الہامی شاعری کا بہترین نمونہ ہے ۔ اس کا کلام آمد کی ایک بہترین مثال ہے جس کے مضمون غیبی اور مٹھاس بے مثال ہے ۔ سچی بات تو یہ ہے کہ یہ معیار اور کیفیت شاید کسی اور شاعر کے یہاں اس درجہ موجود ہی نہیں ۔

فرید اپنی شاعری میں وحدت تاثیر کے عمل کو اس جادوگری سے انجام دیتا ہے کہ اس کا قاری اس عمل کا اسیر ہو کر رہ جاتا ہے ۔ حیران کن بات یہ ہے کہ اس مشکل ترین عمل کے دوران میں وہ فنی حدود و قیود کا بہر طور مکمل خیال رکھتا ہے۔ اس کی شاعری کا مطالعہ کرتے ہوئے اس کا قاری ایک لذت آفریں اور پاکیزہ دنیا میں پہنچ جاتا ہے جہاں کے ماحول، رنگ، ڈھنگ اور آہنگ کا بیان الفاظ میں ممکن نہیں۔ وہ اعلی انسانی صداقتوں اور ان کے حصول کے اصولوں کو بہت خوبی سے اپنی شاعری کا موضوع بناتا ہے۔ اس کی شاعری میں بلاشبہ شاعری کے تمام عناصر کو منظم کرکے ایک دوسرے سے ہم آہنگ کرنے کا ہنر بدرجہ کمال موجود رہتا ہے۔ فرید کے یہ بند فکر و خیال، وحدت تاثیر، ندرت خیال اور فنی معراج کا منہ بولتا ثبوت ہیں جو اپنے تخیل کی گہرائی سے قاری کو ترفع کی یقینی صورت حال سے ہم کنار کرتے ہیں۔

نین زالے نیر، نکھڑے نور نظر دے
ساڑن سول سریر ، ساگی سوز سقر دے
بیچ سہاگ دی سڑ گئی ساری   پوڑے ڈکھ ڈہاگ ڈیاڑی
تک تک مارن تیر ، زہری زور زہر دے
سانگ سجنی نوں سک ساول دی   موجھ منٹھی کوں موجھ مشکل دی
ہار ہٹی ہن ہیر ، ہس گئے ہوش ہنر دے

••••

گیا رول راول وچ روہ راوے
نہ یار ملدا نہ موت آوے

مٹھڑی اکیلی سانول نہ بیلی الجھل نہ کر دی سرتے سیلی
نظرے حویلی سنجڑی بڑوہیلی مارو تھلاں دی والی سہاوے

••••

پٹی پیت دے پندھ پریرے
برے برہوں دے بار بریرے
راہ جھل دے مارو تھل دے سانگ کساہک اجل دے
آنون یاد پنل دے رلڑے پور پوون پل پل دے
ڈکھڑے دل دل پکھڑے ڈھلدے
درد اندوہ گھنیرے
پندھ اڑاگے واڑی تانگھے اوکھے وصل دے ساگے
ملڑ مماگے کوجھے لانگھے چولا بوچھن کھانگھے
جوہ جتن دے ڈم نہ چاگے
تل کھارے نہ چھیڑے
تیر جگر وچ ، پیڑ اندر وچ نیراں نیر وھیراں
پیر مناواں دھیر نہ پاواں دل دل گیر لوراں
مارو چھوڑ طبیر سدھایا
پئے تقدیر نکھیڑے

••••

اور فرید کے یہ بند مزید توجہ کے لائق ہیں۔

سٹیاں مٹیاں بجھیاں کٹیاں وٹیاں پٹیاں پتیاں
گھٹیاں خوشیاں پاڑوں پٹیاں ہٹیاں سکھ دیاں رتیاں
مٹھیاں تیغ برہوں دی کٹھیاں
لٹیاں ناز نورے
درد جدید مزید ہمیشہ ہت پرت سوائی
پیت پرم دے گیت سکھایم نیت اساں سرجائی

عید فرید بعید سٹھے
غم کیتے دل درے

••••

یوں تو فرید کی پوری شاعری وجدانی اور الہامی شاعری کی ہر تعریف پر پوری اترتی ہے جس میں فکر و خیال کے ساتھ وحدت تاثیر کا اس طرح خیال رکھا گیا ہے کہ اسے پڑھتے ہی قاری ترفع کی ایسی کیفیت سے دوچار ہو جاتا ہے کہ جس کا بیان الفاظ میں ممکن نہیں لیکن فرید کی شاعری کا یہ انداز خاص طور پر قابل ذکر ہے۔

میڈا عشق وی توں میڈا یار وی توں
میڈا دین وی توں ایمان وی توں

میڈا جسم وی توں میڈا روح وی توں
میڈا قلب وی توں جند جان وی توں
میڈا کعبہ قبلہ ، مسجد ، منبر
مصحف تے قرآن وی توں
میڈے فرض فریضے حج زکواتاں
صوم صلوت ، اذان وی توں
میڈی زہد عبادت طاعت تقویٰ
علم وی توں ، عرفان وی توں
میڈا ذکر وی توں میڈا فکر وی توں
میڈا ذوق وی توں وجدان وی توں
میڈا سانول مٹھڑا شام سلونا
من موہن جانان وی توں
میڈا مرشد ہادی پیر طریقت
شیخ حقائق دان وی توں
میڈی آس امید تے کھٹیا وٹیا
تکیہ مانڑ تے تراڼ وی توں
میڈا دھرم وی توں میڈا بھرم وی توں
میڈا شرم وی توں میڈی شان وی توں
میڈا ڈکھ سکھ روونڑ کھلنڑ وی توں
میڈا درد وی توں درمان وی توں
میڈا خوشیاں دا اسباب وی توں
میڈا سولاں دا سامان وی توں
میڈا حسن تے بھاگ سہاگ وی توں
میڈا بخت تے نام نشان وی توں
میڈا ڈیکھنڑ بھالنڑ جانچنڑ جوچنڑ
سمجھنڑ ، جانڑ سنجانڑ وی توں
میڈے ٹھنڈڑے ساہ تے مونجھ موجھاری
انجھروں دے طوفان وی توں
میڈے تلک تلوے سیندھاں مانگھاں
ناز نہورے تان وی توں

میڈی مہندی ، کجل مساگ وی توں — میڈی سرخی بیڑا پان وی توں
میڈی وحشت جوش جنون وی توں — میڈا گریہ ، آہ و فغان وی توں
میڈا شعر عروض قوافی توں — میڈا بحر وی توں اوزان وی توں
میڈا اول آخر ، اندر باہر — ظاہر تے پنہان وی توں
میڈا فردا اتے دی روز وی توں — الیوم وی توں آلان وی توں
میڈا بادل برکھا کھمنّیاں گاجاں — بارش تے باران وی توں
میڈا ملک ملہیر تے مارو تھلڑا — روہی چولستان وی توں
جے یار فرید قبول کرے — سرکار وی توں سلطان وی توں
نہ تاں کہتر کمتر احقر ادنیٰ — لاشے لا امکان وی توں

میڈا عشق وی توں میڈا یار وی توں
میڈا دین وی توں ایمان وی توں

◆◆◆◆

کلام فرید کے اس مختصر جائزے اور ان گنت اشعار میں سے چند ایک کو حوالوں کے طور پر پیش کرنے کے بعد اگر ہم اس نتیجے پر پہنچیں کہ کلام فرید ان تمام تنقیدی اشارات کے معیار پر پورا اترتا ہے جو افلاطون نے اعلیٰ و ارفع شاعری کے لئے بیان کئے ہیں تو اس میں قطعی کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔

◆◆◆◆

فرید اور ارسطو

کوئی اس بات سے چاہے لاکھ انکار کرے لیکن حقیقت یہی ہے کہ ارسطو فن تنقید میں ایک منفرد اور نہایت اہم مقام رکھتا ہے۔ ارسطو سے پہلے ادب کے تجزیاتی مطالعے کا تصور تک نہیں تھا۔ ارسطو نے ادب کے تجزیاتی مطالعے کا آغاز کیا اور فن پاروں کو ان کی نمایاں خصوصیت کے حوالے سے الگ الگ کرنے کے بعد ان میں مشترک خصوصیات کی دریافت کا مشکل فریضہ ادا کیا۔ ان خصوصیات کو اس نے ادبی اصول کا نام دے کر آنے والے وقتوں میں تخلیق ہونے والے ادب کے لئے رہنمائی کی ایک بنیاد فراہم کی۔ ہر چند اس نے یہ اہم کام یونانی ادب ہی کے حوالے سے سرانجام دیا لیکن اس کی خوبی یہ ہے کہ اس کے نتیجے میں سامنے آنے والے اصولوں کا اطلاق دنیا کی سبھی زبانوں کے ادب پر ہوتا ہے۔

ارسطو کا یہ کارنامہ بھی یقیناً لائق توجہ ہے کہ اس نے ادب کے جمالیاتی پہلو کے مطالعے کا آغاز کیا۔ اس سلسلے میں اس کی مشہور عالم کتاب بوطیقا " POETICS " خاص طور پر قابل ذکر ہے جس کا اسلوب فلسفیانہ ہے اور جس میں ادب پر اسی انداز ہی میں بحث کی گئی ہے۔ بوطیقا سے ادب کو جو لائق تحسین فائدہ ہوا وہ یہ ہے کہ اس سے ادب پر نہایت تکنیکی اور سائنٹیفک انداز میں تنقید کا آغاز ہوا اور اسی انداز کو آنے والے وقتوں میں رہنما اصول کے طور پر تسلیم کیا گیا۔

ارسطو سے پہلے افلاطون نے شاعری کے خلاف بات کرتے ہوئے کہا تھا کہ شاعری اخلاق پر منفی اثرات مرتب کرتی ہے۔ افلاطون کے ان خیالات سے شاعر اور شاعری دونوں کی حیثیت پر ایک طرح سے منفی اثرات مرتب ہوئے۔ ارسطو نے افلاطون کی طرف سے شاعری پر عائد کردہ اس تہمت کی نفی کی۔ اس نے اپنی طرف سے المیے کا تصور پیش کر کے شاعری کے ختم ہوتے ہوئے وقار کو بحال کیا۔ اس کے اس تصور کے

مطابق المیہ ایک نہایت سنجیدہ عمل ہے جس کا اظہار ہمیشہ معقول زبان سے ہوتا ہے۔ المیہ رحم اور خوف یا اس سے ملتے جلتے جذبات کو بھڑکا کر کئی قسم کے منفی جذبات کی اصلاح کرتا ہے جس سے انسانی جذبات کی تطہیر ہوتی ہے اور ان میں ترتیب اور توازن کی صورت بھی پیدا ہوتی ہے۔

ارسطو نے تنقید کے ذیل میں دو اور نظریئے بھی پیش کئے۔ پہلے نظریئے میں اس نے شاعر اور مورخ کے فرق کو واضح کرتے ہوئے کہا کہ مورخ واقعات کا پابند ہوتا ہے اور وہ انہیں اسی ترتیب سے تحریر کرتا ہے جیسے کہ وہ وقوع پذیر ہوئے ہوں جبکہ شاعر نہ تو واقعات کی وقوع پذیری اور نہ ہی ترتیب کا پابند ہوتا ہے بلکہ شاعر واقعات کی وقوع پذیری کے امکانات ہی کو بنیاد بنا کر اپنے تخلیقی عمل کو جاری رکھتا ہے۔ "امکان وقوع" کا نظریہ پیش کر کے اس نے شاعر کی اس صلاحیت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ وہ آنے والے وقتوں میں ممکنات کا ادراک بھی رکھتا ہے۔

ارسطو اس سلسلے میں دوسری اہم بات مظاہر کی عکاسی کی کرتا ہے۔ افلاطون مظاہر کی عکاسی کے عمل کو نقل قرار دینے کے ساتھ ساتھ اسے صداقت کے خلاف عمل قرار دیتا ہے جبکہ ارسطو کے نزدیک یہ عمل نقل نہیں کیونکہ شاعر مظاہر کی عکاسی کرتے وقت ایک حسین اور پرکشش انداز اختیار کرتا ہے جس کے باعث اس کا یہ عمل تخلیقی قرار پاتا ہے۔

ارسطو نے افلاطون ہی کی طرح فن کی درجہ بندی کی لیکن افلاطون کی درجہ بندی کسی طرح کی وضاحت سے عاری ہے جس سے فن کے مدارج سمجھ میں آنے کی بجائے اس سلسلے میں ذہن میں ایک الجھاؤ سا پیدا ہونے لگتا ہے۔ اس کے برعکس ارسطو نے علوم و فنون کی درجہ بندی کی بات وضاحت کے ساتھ کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ علوم و فنون کی تین قسمیں ہیں۔ پہلی قسم کو تخلیقی، دوسری کو عملی اور تیسری کو نظری علوم کا نام دے کر وہ ہر ایک کی وضاحت کے ساتھ ساتھ ان کے مقاصد بھی بیان کرتا ہے۔ وہ تخلیقی علوم میں شاعری اور خطابت وغیرہ کو شامل کر کے ان کے ذمہ خوبصورت اور منفعت بخش فن پاروں کی تشکیل کا کام لگاتا ہے۔ ہم اس بات کی اس طرح تشریح کر سکتے ہیں کہ ارسطو

خوبصورت فن پارے اور اشیاء کی تشکیل سے تخلیق جمال مراد لیتا ہے اور منفعت بخش سے اس تخلیق سے مسرت کا حصول ------ یعنی تشکیل پانے والے فن پارے سے اس کے قاری کو مسرت حاصل ہو --- اس طرح ارسطو شاعر کو عمدہ تخلیق کے لئے ایک اشارہ دیتا ہے کہ اس کا فن پارہ بیک وقت خوبصورت ہو اور اس سے مسرت بھی حاصل ہو۔

ارسطو نے جہاں دیگر بہت سی چونکا دینے والی باتیں کی ہیں وہاں اس نے شاعری کے لئے وزن ، بحر اور آہنگ کو غیر ضروری قرار دے کر بھی ادب کے طالب علموں کو حیران کر دیا ہے۔ اس کے نزدیک وہ عناصر جنہیں عام لوگ شعر کی بنیاد قرار دیتے ہیں شاعری کے لئے ضروری نہیں ۔ وہ تو یہاں تک کہتا ہے کہ شاعری کی اصل نثر میں بھی مل جاتی ہے ۔ ارسطو یہ بات کہہ کر شاعری کے لئے جس چیز کو بنیاد قرار دینے کا اشارہ دیتا ہے وہ گہرائیٔ تخیل ہے ، نہ کہ وزن ، بحر اور آہنگ ۔

ارسطو کے کارناموں ، افکار ، خیالات اور نظریات کا مختصر جائزہ لینے کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ وہ اعلیٰ و ارفع شاعری کے لئے مندرجہ ذیل اشارات و معیارات کا تعین کرتا ہے۔

۱۔ ارسطو شاعری میں واقعات اور مظاہر کی عکاسی حسین انداز میں کئے جانے کا خواہاں ہے۔وہ چاہتا ہے کہ شاعر اس عمل میں بہترین الفاظ اور زبان کا انتخاب کرے ۔

۲۔ ارسطو " امکان وقوع " کا نظریہ پیش کرتا ہے ۔ وہ شاعر سے توقع کرتا ہے کہ وہ ایسے تصوراتی واقعات کو اپنے فن کا موضوع بنائے جن کے وقوع پذیر ہونے کا امکان ہو سکتا ہے ۔ اس کے نزدیک یہ ضروری نہیں کہ ایسے واقعات وقوع پذیر بھی ہو چکے ہوں ۔

۳۔ وہ شاعری میں صرف ایسے جذبات کا اظہار چاہتا ہے جو انسانی ذہن پر مثبت اثرات مرتب کریں ۔ اس سلسلے میں وہ ایسے ایسے کی بات کرتا ہے جو تزئین زبان کے ساتھ اس طرح پیش کیا جائے کہ اس کے اثر سے فطرت انسانی کے شریفانہ فکری عناصر مثبت طور پر متاثر

نہ ہوں بلکہ ان پر بہر صورت مثبت اثر پڑے ۔ اس طرح وہ فن پارے سے اخلاقی نظام کی اصلاح کی توقع کرتا ہے ۔ ارسطو کے نزدیک یہ کام اس وقت ہوتا ہے جب فن پارہ قاری کے جذبات میں ایک مصنوعی ہیجان پیدا کر کے اس کے جذبات کی تطہیر اور نفس کا تزکیہ (CATHARSIS) کرتا ہے ۔

۴۔ وہ علوم و فنون کی درجہ بندی میں شاعری کو تخلیقی علوم کے ذیل میں رکھ کر اس کے تخلیق کار سے توقع کرتا ہے کہ وہ تخلیق جمال کا کام اس طرح انجام دے کہ اس سے مسرت و انبساط حاصل ہو ۔

۵۔ ارسطو شاعری کے لئے وزن ، بحر اور آہنگ کو لازمی قرار نہیں دیتا بلکہ اس کے نزدیک اعلیٰ و ارفع شاعری کی بنیاد تخیل کی گہرائی پر ہے کیونکہ اس کے بغیر شاعری کا وجود نا ممکن ہے ۔ اس لئے وہ شاعر سے توقع کرتا ہے کہ وہ اپنے تخیل کے ذریعے موضوعات کو وسعت اور حقائق کو بلندی عطا کرے ۔

۶۔ ارسطو کے نزدیک اعلیٰ و ارفع شاعری میں عظیم اور آفاقی صداقتیں اظہار پاتی ہیں۔ اس طرح وہ شاعری میں صداقت کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے ۔

فرید کی شاعری کا مطالعہ اپنے قاری پر واضح کرتا ہے کہ فرید انتہائی توانا لب و لہجے کا شاعر ہے ۔ اس کی زبان بے حد اعلیٰ اور فن بے حد ارفع ہے ۔ وہ واقعات ، جذبات ، حقائق ، کوائف اور مظاہر کے بیان پر حیران کن قدرت رکھتا ہے ۔ زبان اور الفاظ مکمل طور پر اس کی گرفت میں ہیں اور ان کے استعمال کا ہنر اسے من جانب اللہ ودیعت ہوا ہے ۔ اس کے بیان کا انداز قابل رشک حد تک حسین ہے ۔ وہ واقعات کا بیان اور مظاہر کی عکاسی اس طرح کرتا ہے کہ ان کی حقیقت اور حسن نکھر کر سامنے آ جاتا ہے ۔ اسے اس بات کا ادراک ہے کہ جب تک بیان حسن کی خوبی سے آراستہ نہیں ہو جاتا ، شاعری ضروری توانائی اور خوبی سے محروم رہتی ہے ۔ وہ واقعات کے اظہار اور مظاہر

کی عکاسی میں ان تمام باتوں کا اہتمام تو کرتا ہے لیکن اس طرح کہ اس مشکل کام میں آورد کا کہیں بھی گمان نہیں ہوتا۔ اس کی یہی خصوصیت اسے عظیم شاعر کی صورت میں سامنے لاتی ہے۔ اس کی شاعری کا جہاں سے اور جس انداز میں جائزہ لیا جائے، اس کا حسن اور نکھر کر سامنے آتا ہے۔ واقعات کے بیان کا عمل وہ کس طرح انجام دیتا ہے اس کی چند مثالیں دیکھئے۔

کتھ رانجھن، کتھ کھیڑے بھیڑے   کتھ رہ گئے او جھگڑے جھیڑے
کتھ چوچک دی جائی وویار

◆◆◆◆

پنوں ہوت نہ کھڑ موکلایا   چھنڈ کھلڑی کیچ سدھایا
سونہڑے جانڑ پچھانڑ رلایا   کوڑا عذر نبھایم گھلدا
سنڑ لیلیٰ دانھ پکارے   تیڈا مجنوں زار زارے
سوہنا یار توڑیں ہک وارے   کڈیں چا پردہ محمل دا

◆◆◆◆

مارو مشکل ول مکھڑا چھپایا
ڈکھڑیں ڈکھایا دردیں موںجھایا
سنجڑی سسی کوں جبلیں رلایا   ہے ہے پنل ول پھیرا نہ پایا
خوشیاں وہانیاں سانول سدھایا   گل گیا فریدا جوبن اجایا

◆◆◆◆

مساگ ملیندی دا گذر گیا ڈینھ سارا
سنگار کریندی دا گذر گیا ڈینھ سارا
کجلہ پایم، سرخی لایم   کیتم یار وسارا
کانگ اڈیندیں عمر وہانی   آیا نہ یار پیارا
ہجر فرید النبی لائی   جل گیم مفت وچارا

◆◆◆◆

پنل چھنڑ کیچ سدھاویں
دلڑی نمانڑیں ہے زار زنار
سٹ کر شاہی تھیساں بانڈی ٹھیک سوہیساں ریت غماں دی
کیچو کرسم لوک ویار

••••

ہجرت توں بن نہ تھیساں میں
گھڑی کیا پل نہ جیساں میں
گیا سوالاں اندر سڑ بگل سبھو مشکل تھیوے حل
سسی ، سوہنڑ اتے مول انھاں وچ ہی گھنیساں میں

••••

کلام فرید میں مظاہر کی عکاسی کی چند مثالیں ۔

وٹھڑی پالی سدا متوالی مینھ وسراند تے والی آلی
روہی رشک ملیر ، وہندا بخت والایا
تھیاں سرسبز فرید دیاں جھوکاں سبھوں ٹنگی چائی سوکاں
حد نہ ماٹون کھیر ، مولیٰ ماڑ وسایا

••••

سوسو چھانگاں ، لکھ لکھ چھیڑو وٹھڑے دی وہ ہیون پندھیڑو
روہی تھئی آباد جدید

••••

لانڑے پھوگ اساڑے مانڑے ٹبڑے بھٹڑے ، ڈیر ٹکانڑے
ڈہدے سکڑے کھیتر کمانڑے ساگی باغ ارم دے یار

••••

اوکھیاں گھاٹیاں گاٹیاں چاٹیاں لاہیاں چاڑھیاں سبھ اٹھ کاٹھیاں
بجڑوں کھنڈڑوں سو سو غار

••••

مجھلیں پینگیں لاسوں تاریں   چنکیں گھنڈڑیں ہوگ تواریں
سبھوں راند رسائی وویار

••••

گوڑھیاں اکھیاں رت دیا بکھیاں   زلف سیہ بے پیر
کجلہ جنگی ، ظالم زگی   کوہندا بے تقصیر

••••

حسن ازل تھیا فاش مبین   ہر ہر گھاٹی وادی ایمن
ہر ہر پتھر ہے کوہ طور
تھئے ظاہر اسرار قدیمی   ہر ہر شاخ ہے نخل کلیمی
زیر زبر چپ راست حضور

••••

روہی مینگھ ملہاڑاں   کھدیاں کھنڈیاں اج کل
لاٹے پھوگ فرید دے   درد دلیں دے درمل

••••

روہی وٹھڑی مینگھ ملہاراں   بوٹے بوٹے تھیاں گلزاراں
شالا موڑم دوست مہاراں   بھاگ سہاگ دے موسم آیم

••••

ہر صورت وچ دیدار ڈٹھم
کل یار اغیار کوں یار ڈٹھم
کتھ پھل گل باغ بہار ڈٹھم   کتھ بلبل زار نزاو ڈٹھم
کتھ خس خاشاک تے خار ڈٹھم   ہک نور دے سب اطوار ڈٹھم

••••

بدلیں جڑ گھنگھور مچائی   پھوگیں لاٹیں خنکی چائی
ناز کریندی لائی لائی   عارف عبرت کھادے ہن

••••

پورب لھماوے تے پتالوں پانی آوے

چینگھاں ونوّن دیاں مچھلے پیلے گوڑھے ساوے
بدلے درووں رووَن بجلی اکھ مارے مسکاوے
روہی رنگ رنگیلی چک کھپ ہار حمیلاں پاوے
بوٹے بوٹے گھنڈ سہاگوں گیت پرم دے گاوے
کیسر بھنڑی چولی چنڑی دل دل میٹھ پوساوے
پورب ماڑ ڈکھن دے بادل کوئی آوے کوئی جاوے

♦♦♦♦

ارسطو نے نظریہ " امکان وقوع " پیش کر کے شاعری کی وسعت اور میدان میں اضافہ کیا ہے ۔ اس کے اس نظریئے کے تحت سبھی ممکنات شاعری کی حدود اور دائرے میں آگئی ہیں ۔ وہ ایسے واقعات کو تو شاعری کا موضوع قرار دیتا ہی ہے جو وقوع پذیر ہو چکے ہوں لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ ایسی ممکنات کو بھی شاعری کا موضوع قرار دیتا ہے جن کا وقوع پذیر ہونا ناممکن نہ ہو ۔ اس کا یہ نظریہ ایک لحاظ سے شاعر کے لئے مستقبل اندیشی کا دروازہ بھی کھولتا ہے ، ایک ایسی مستقبل اندیشی جس کا دوسرا سرا ماضی کے ہاتھ میں رہتا ہے ۔

فرید ارسطو کے اس نظریئے کے مطابق ان گنت ایسے امکانات کو اپنی شاعری کا موضوع بناتا ہے جن کا وقوع پذیر ہونا ناممکن نہیں ۔ وہ ہجر و فراق کی بات کرتے ہوئے قدم قدم پر ایسی باتیں کرتا ہے جن کا ہجر وفراق کے ذیل میں وقوع پذیر ہونا بہر حال ممکن ہے ۔ وہ عشق کے مراحل میں بہت آگے تک نکل جاتا ہے اور اپنے قاری کو عشق اور ہجر و فراق کی ایک ایسی منزل تک لے جاتا ہے،جہاں پہنچ کر قاری یقینی طور پر کیف حیرانی سے دوچار ہوتا ہے ۔ وہ نہ صرف اپنے حال کا کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کرنے والا شاعر ہے بلکہ حال میں وقوع پذیر ہونے والے حالات کی روشنی میں آنے والے وقتوں میں ممکنہ طور پر وقوع پذیر ہونے والے حالات کا اندازہ لگا لینے کی بھی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے. وہ صرف ان واقعات کو بیان نہیں کرتا جو اس پر بیت چکے ہوں بلکہ ان واقعات کو بھی

اپنی فکر کے دائرے میں لے آتا ہے جو اس پر ابھی نہیں بیتے لیکن جن کے بیت جانے کا امکان موجود ہے۔ اس طرح وہ ارسطو کے نظریہ امکان وقوع کی مختلف انداز میں تائید کرتا ہے۔

رت روندیں عمر نبھیساں
ایہو داغ قبر وچ نیساں
پڑجالے تتڑیں آہیں تن گالے ٹھنڈڑیں ساہیں
میں ویساں یار دے راہیں ونج کیچ فرید مٹھیساں

****

جوگی براگی تھی کر ڈھونڈیساں کفنی ڈکھاں دی پا گل سوہیساں
ایویں فریدا عمراں نبھیساں جے تیں نہ تھیساں داخل قبر دے

****

جھوپڑ جوڑوں چک کھپ تھڈ تے
ایجھا نہ ہووے سارے بڈ تے
نہ وکڑے نہ بند تے ہساں نہ گٹھ پاڑ دی کھڈ تے
ساونڑ آن سوہیساں روہی سندھڑوں تگھری لڈ تے
جے پانی گھٹ وسی بسوں ڈھائے تے گل اڈ تے

****

جھڑاں جایم پا کر جھولی
کرونڑ وٹی ما لولی
بن یار نہ سیج سمیساں پھل سرے تروڑ سٹیساں
بھن بینسر بول سڑیساں بٹھ چندن ہار جولی

****

ٹوبھا کھٹا ڈے ملک ملیر تے
پتھر پہاڑ کوں چیر تے
منجھیاں رگسن گائیں ڈھگسن بھیڈاں بکریاں چھاگے تگسن

آکھیاں اڑن دلڑیاں بکسن دھرتی دی تاثیر تے
برہوں دی کھوہ تے جوہ ٹبیسوں جھوکاں جوڑ سجوک چھکیسوں
سی تے سے تھورے لیسوں منت چڑھیسوں مائی ہیر تے

****

ڈوبھا کھنا ڈے سوہنی جا تاڑتے
اوجھا نہ ہووے ساری ماڑ تے

ڈینھاں بیسوں لسیاں بگڑیاں راتیں کھیر کوں کاڑھ تے
توں بن سانول اگ انڑسیاں چولا بوچھن پاڑتے
جے نہ اوسیں توں ول جھوکاں لڈسوں جھوپڑ ساڑتے

****

فرید کی شاعری کا بنیادی تصور اور جذبہ خیر ہے جس میں انسان اور اس کی بہتری کو اولین حیثیت حاصل ہے ۔ فرید اس خیر کا فروغ انسان کی اصلاح کے ذریعے چاہتا ہے ۔ وہ چاہتا ہے کہ انسان زندگی گذارنے کے لئے ایک ایسے راستے کا انتخاب کرے جو دوسرے انسانوں اور خالق کائنات کو پسند ہے ۔ وہ انسانوں کو ایسے حالات سے بہر طور بچانا چاہتا ہے جو ان کے ذہنوں کو پراگندہ کر سکتے ہیں ۔ اس کی خواہش ہے کہ انسان انسانیت کے ہی راستے پر گامزن رہے تا کہ دنیا میں خیر اور سلامتی کو فروغ ملے ۔ وہ ہجر و فراق کی بات کرے یا عشق و محبت کی ، وہ مظاہر کی عکاسی یا واقعات بیان کرے ، اس کے پیش نظر ایک ہی بات رہتی ہے کہ یہ دنیا عارضی ہے ، یہاں کی ہر چیز فنا ہونے والی ہے ، اس لئے اس دنیا کو فانی دنیا ہی کا درجہ دے کر اس کی اہمیت کے مطابق زندگی گذارنی چاہیئے اور اس دنیا کی بجائے آنے والے وقت کے لئے ایسے اقدامات کر لئے جائیں کہ بعد میں پچھتاوے اور ندامت سے دوچار نہ ہونا پڑے ۔ اس کی شاعری میں انسان کے اخلاقی نظام کی اصلاح کا عنصر جا بجا نظر آتا ہے ۔ فرید جب خوشی کا اظہار کرتا ہے تو اس کی خوشی نیک اور کامیاب امور کے زیر اثر ہوتی ہے اور جب وہ کسی المیے کا اظہار کرتا ہے تو بھی اس میں یہی عمل کارفرما دکھائی دیتا ہے کیونکہ اس کے نزدیک المیہ بھی انسان کو سیدھے راستے پر

لے جانے کا ذریعہ ہوتا ہے ۔ اس طرح وہ اپنے اس انداز سے افلاطون کے اس خیال کی واضح طور پر نفی کرتا ہے کہ شاعری انسان کے منفی جذبات کو ابھار کر معاشرے کے لئے پریشانی کی ایک صورت پیدا کرتی ہے ۔ وہ ارسطو کو یہاں بھی سرخرو کرتا ہے جس کے مطابق شاعر اپنے اشعار کے ذریعے ایسے جذبات کا اظہار کرتا ہے جس سے اس کے قاری کے ذہن پر مثبت اثرات اس طرح مرتب ہوتے ہیں کہ اس کے جذبات اور ذہن میں ایک مصنوعی قسم کا ہیجان پیدا ہو جاتا ہے جس سے اس کے لئے تزکیہ نفس اور تطہیر جذبات کی صورت پیدا ہونے لگتی ہے ۔

وطن بیگانے دل نسیں آوناں — یاد کیتم دلدار میں
کولے رہساں ، مول نہ سساں — ہجر دا بھاری بار میں
پاروں پُھندی جھوک پنل دی — کیوں رہساں اروار میں
میں من تاری تے نیں بھاری — قادر نیم پار میں
ڈیٹھ ڈکھاں دا ڈونگر ڈیندا — رات غماں دی غار میں
دار مدار فرید ہے دل نوں — ڈکھڑے تارو تار میں

◆◆◆◆

پریں اج نہ گیوسے کل ہی سہی
ایہو وطن بیگانہ کوڑا کوڑ نکانڑ
رنگ گل پھل ڈیکھ کے بھل نہ بہیں — سدھے راہوں سالک رل نہ بہیں
اینیں جگ دی جانگ گجھ بہانہ
لیہ نگری ملک پرایا ہے — اتھ آسرا رکھنڑ اجایا ہے
منڈھوں رہنڑ نہ ڈیندے کرن روانہ

◆◆◆◆

آپے یار محبت چایم ڑی
وچ آپ کوں آپ ونجایم ڑی

ڈکھا تھل مارو آ بیٹھ گیا دل جان جگر تن ریش تھیا
تی عشق اوڑا لائم ڑی

••••

کیا دوری مجبوری اوڑک ونجنا جھوک ضروری
پوری تھیساں سک سانول دی ہم ایمان دی موڑی
پورے جھورے خاک پٹی دے
کرم کیچ وسیڑے

••••

کھیڈݨ کڈݨ گیا سکھ دا ڈول گیوم ڈکھڑے پکھڑے پئے خوشیاں رول گیوم
جڑ کر راول جوگی لائی پرم جڑی

••••

برہوں بھیندا لکھ لکھ بلائیں تھی تھی ڈکھاری منگدی دعائیں
شالا کہیں دیاں یا رب کڈاہیں دیداں نہ اگن ، دلڑی نہ پھاسے

••••

دل دم دم دردوں ماندی ہے
سک ڈھولڑیں باجھ نہ لہندی ہے
ہجر دیاں گذریاں ڈکھیاں راتیں ما پیو خویش نہ پچھدے باتیں
سیگیاں سرتیاں لین نہ تاتیں مسکڑی پئی تڑ پھاندی ہے
گزریا ویلا ہسݨ کھلݨ دا آیا وقت فرید چلݨ دا
اوکھا پینڈا دوست ملݨ دا جان لباں تے آندی ہے

••••

دنیا کے اکثر اہم ناقدین نے جہاں اعلیٰ شاعری کے لئے کئی اور ضرورتوں کی تکمیل کا معیار مقرر کیا ہے وہاں اس کا مسرت بخش ہونا بھی ضروری قرار دیا ہے ۔ ارسطو بھی اعلیٰ شاعری سے توقع کرتا ہے کہ وہ اپنے قاری یا سامع کو مسرت ، انبساط اور خوشی سے

ہم کنار کرے۔

مسرت کے حصول کے کئی طریقے ہیں۔ یہ ایک ایسی دولت ہے جو متنوع ذرائع سے حاصل ہوتی ہے۔ انسان ہر اس کام میں ایک طرح کی مسرت محسوس کرتا ہے جسے انجام دینا گو مشکل ہو لیکن وہ اسے انجام دے لے۔ اسی طرح کسی ایسے شخص سے ملاقات بھی مسرت کا باعث بنتی ہے جس سے ملاقات کی دلی خواہش ہو۔ معلوم سے نا معلوم کی طرف جسمانی یا ذہنی سفر بھی انسان کو مسرت سے ہمکنار کرتا ہے اور اس وقت تو وہ مسرت یقینی طور پر کئی چند ہو جاتی ہے جب نامعلوم بھی معلوم کے احاطے اور دائرے میں آ جاتا ہے۔ مسرت ایک انوکھا جذبہ ہے جس کے بارے میں بعض اہل علم تو یہاں تک کہہ گئے ہیں کہ ایسا غم جو معتبر اور عزیز ہو اس کا احساس بھی انسان کو ایک ایسی عجیب مسرت اور لذت سے سرشار کرتا ہے جس کو الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ ارسطو بھی جب علوم و فنون کی درجہ بندی کرتے ہوئے شاعری کو تخلیقی علوم کے ذیل میں رکھ کر اسے تخلیق جمال کا فریضہ سونپتا ہے تو اس سے یہی توقع کرتا ہے کہ اس سے مسرت اور انبساط حاصل ہو۔

فرید دنیائے ادب کا عجیب مسافر ہے جو صرف اپنے پیش ہی پر نظر نہیں رکھتا بلکہ اس راستے سے گزرتے ہوئے وہ ہمہ جہتی ناظر کا کردار ادا کرتا ہے۔ اس کا مطالعہ وسیع اور نظر گہری ہے۔ وہ انسان اور اس کے جذبات کے اتار چڑھاؤ اور برتاؤ سے مکمل طور پر واقف ہے۔ وہ ذوق جمال کو انسانی فطرت کے عین مطابق بلکہ اس کا حصہ سمجھتا ہے اور اس کے سبھی تقاضوں سے آگاہ ہے۔ اس کی ہر تخلیق سے، جہاں قاری کو ایک ایسے سفر کی لذت اور مسرت میسر آتی ہے جو معلوم سے نا معلوم کی طرف جاری سفر سے حاصل ہوتی ہے وہاں اس میں پائے جانے والے جمال سے بھی انبساط کی کرنیں پھوٹتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ وہ غم و فراق ہو یا حزن و ملال، اس کے اظہار میں ایک ایسی خوبی پیدا کر دیتا ہے کہ اس کا قاری اسے اپنے دل میں ایک مسرت آمیز غم کی طرح اترتا ہوا محسوس کرتا ہے۔ فرید کے فن کا یہی کمال اسے دوسرے شاعروں سے بے حد ممتاز کرتا ہے۔

ٹوبھے تاہڑے دل کوں بھاون کھپ جھوپڑ خوش جائیں
کرڑ کنڈا تے پھوگ تے لاڑاں ، کترݨ عطر ہوائیں
روہی گل گلزار ڈسیجم ، دل کوں لکھ لکھ چائیں
آکھ فرید نہ دلبر توں میں تھیساں دور کیڈاہیں

••••

اچیاں لمبیاں لال کھجوراں پتر جنھاں دے ساوے
جس دے نال پریت لگی او یار نظر نہ آوے
گلیاں ساکوں سیج ڈسیون ، ویڑا کھاوݨ آوے
غلام فرید اتھ کیا وسݨاں جتھ یار نہ پھیرا پاوے

••••

خبر نہیں انھاں کملیاں لوکاں   تیغاں تیز برہوں دیاں نوکاں
درد منداں سرکھڑیاں دے یار
ڈیکھ کے چالیں یار سجݨ دیاں   باز خراماں من موہن دیاں
کبکاں رویں وڑیاں دے یار

••••

ساونڑ مینگھ ملہاراں
ترس پووی چل آموڑ مہاراں
سرح کرینھ تے چیڑیاں بوٹیاں   ساویاں لاٹیاں کھاراں
جوہڑ جوہڑ کھبکن مٹیاں   سندیاں گھنڈ تواراں
گائیں بکریاں بھیڈاں چاگے   چڑدے جوڑ قطاراں
یار فرید ملم دل بھاندا   میلے ویس اتاراں

••••

اج رنگ روح تے ولیا ہے
متاں ماہی مانھوں گھلیا ہے
جنگل بیلے سبزی چائی   رونق روز بروز سوائی

رل مل سیاں ڈیون وہائی　　رانجھن لوں لوں رلیا ہے
کانھ کیلے ننگی چائی　　چائی لیاں دے پور للائی
گل پھل کر دے حسن نمائی　　سکھ ملیا ڈکھ ٹلیا ہے

****

بھانڑ وسایا یار چھیندے
بیٹ سوہایا مانڑ مھیندے

گائیں ونج تے منجھیاں لیساں　　میں چندن تے جھوک بڈیساں
بیلا بیلی نال سوہیساں　　جیڑھا چاک سڈیندے
موسم مست ڈیاڑے بھلڑے　　ڈانگاں طرڑے ساوے تڑے
بھاگ سہاگ فرید سولڑے　　اکھیاں نال ڈسیندے

****

ارسطو اعلیٰ و ارفع شاعری کے لئے وزن ، بحر یا آہنگ کو ضروری نہیں سمجھتا۔ اس کے نزدیک ایسے اشعار جن میں وزن ، بحر اور آہنگ تو موجود ہو لیکن ان میں تخیل مفقود ہو تو ایسے اشعار کو محض وزن ، بحر اور آہنگ کے باعث کسی بھی طرح اچھی شاعری بلکہ شاعری ہی نہیں گردانا جا سکتا۔ ارسطو کے ان خیالات سے یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ ایسی ہر شاعری جو وزن ، بحر اور آہنگ سے ترتیب پائے ، ارسطو کے نقطہ نظر کے مطابق اعلیٰ و ارفع شاعری کی قطار سے خارج تصور کی جائے گی۔ ارسطو دراصل ان تمام چیزوں کی بجائے تخیل کی گہرائی کو شاعری کی اصل بنیاد اور اہم ترین ضرورت قرار دیتا ہے۔ تخیل کی گہرائی کے ساتھ وزن ، بحر اور آہنگ بھی اگر شعر میں موجود ہے تو یہ تمام چیزیں سونے پر سہاگے کا کام کرتی ہیں لیکن اس سارے عمل میں بنیادی اہمیت بہر حال سونے ہی کو حاصل رہتی ہے۔

کلام فرید کا مطالعہ کرتے ہوئے اس کا ہر قاری یقیناً اس بات سے اتفاق کرے گا کہ یہ ایک ایسا کلام ہے جس میں تخیل کو مرکزی اہمیت حاصل ہے ، اور گہرائی اس کا قابل رشک وصف ہے۔ کلام فرید کا ہر مصرعہ اس بنیادی ضرورت کی طرف قاری کی توجہ

مبذول کرواتا ہے اور اسے سوچ کی ایک حیران کر دینے والی جہت کی جانب لے جاتا ہے۔
فرید کی ساری شاعری وزن ، بحر اور آہنگ سے بھی آراستہ ہے لیکن اس میں اہم اور بنیادی عنصر تخیل ہی کا ہے جو اسے عظمت سے ہمکنار کرتا ہے۔ فرید اپنی شاعری میں جہاں انوکھے تجربے کرتا ہے ، نہایت وسیع مطالعے اور مشاہدے کو اس کے پس منظر کے طور پر پیش کرتا ہے وہاں اسے چونکا دینے والے خیالات کی دھنک سے رنگا رنگ کرتا ہوا بھی دکھائی دیتا ہے۔ وہ فکر کی ایسی بلندی پر رہ کر تخلیق کے عمل سے گذرتا ہے کہ اس کے قاری کو بھی وہاں تک پہنچنے میں ایک مشکل مگر مسرور کن جدوجہد کے عمل سے گزرنا پڑتا ہے۔ ہر چند اس کی شاعری میں کہیں بھی ابہام کی صورت پیدا نہیں ہوئی لیکن اس کا ایسا قاری جو مطالعے اور مشاہدے کی کمتر سطح پر رہ کر فرید کا مطالعہ کرنا چاہتا ہے ، اسے مشکلات کے مراحل سے ضرور گزرنا پڑتا ہے کیونکہ تخیل کی گہرائی اور فکر کی بلندی اس کی گرفت اور تفہیم میں نہیں آپاتی۔ فرید کے تخیل کی انوکھی جہتیں اس کی شاعری میں ایسی خوشبو کی طرح ہے کہ جس کا قرب ذہن کو معطر کر دیتا ہے۔ اس کے اشعار علم و عرفان کی روشنی سمیٹے ہوئے ہیں جن کے منکشف ہونے پر قاری کا ذہن خود بخود روشن ہونے لگتا ہے اور وہ خود کو ایک الگ دنیا کا باسی محسوس کرنے لگتا ہے۔ فرید اپنی شاعری کو خوبصورت تلمیحات اور واقعات سے سجاتا ہے جن کا پس منظر موضوع کو ایسی وسعت عطا کرتا ہے کہ جس سے اس کی شاعری کے اعلیٰ و ارفع معیار کو دل کی گہرائیوں سے تسلیم کرنا ہی پڑتا ہے۔

میڈا مٹھڑا ماٹھوں کاک جا
شالا رانجھا ایندم رات

تیڈی سک دے کاٹن سِتی ہم — سوہل کوں ٹھن سات
کاک کندھن تے رل مل ماٹوں — ساونڑ دی برسات
غم دا حال سنڑاواں کیویں — سو ڈکھ تے ہک وات
کانگل ! کھنڈ دیاں چوریاں بلیساں — کر کئی طرنڑ دی بات

****

سانول چل دل گھر ہو سدھایا
تن موجھ ماریا سرسول تایا

تھئے ڈکھاں دے غم دیاں سوغاتاں ۔ کیچوں سی ڈو آیاں براتاں
برہوں براتاں اوکھڑیاں کھاتاں ۔ جیڑا نمیڑے نیڑا نبھایا
آساں امیداں ساڑیاں پچایاں ۔ اصلوں بروچل پیتاں نہ پالیاں
مارو مہر دیاں دیداں نہ بھالیاں ۔ آیم فریدا سختی دا سایا

••••

ڈکھ تھئے بانھ بیلی وو یار
ہتھیں آیم اکیلی وو یار

ناں ماہی نہ مجھیاں ڈبیاں ۔ اکھیاں وسدیاں دلڑیاں کھسدیاں
جندڑی تھئی بانھ بیلی وو یار
بھاگ سہاگ سبھی توں رٹھڑے ۔ ہار حمیلاں گانے ترٹڑے
ٹوٹے بانھ چوڑیلی وو یار

••••

رتھ وسیمیں وسیمیں نور
میڈا دستہ زرم کرور دا ۔ مثال وگیں لگم گھور
رتھ تے پھندی وڑک نہ سندی ۔ ہم طبع کم زور
روز ازل دی پاتم جگ وچ ۔ برہوں تیڈے دی ڈور
میں تے یار فرید مٹھیوں ۔ رل مل شہر بھنبھور

••••

شہ رانجھا البیلا
جوگی جادوگر وے

تخت ہزاروں رانجھن آیا ۔ ہیر تتی دے گھر وے
جوگن تھیساں خاک رمیساں ۔ رلساں شہر بحر وے
ماء پیو چھوڑ گئی لڑ تیڈے ۔ سانول کاری کر وے

رانجھا جوگی میں جگیانڑ ڈتڑی عشق خبر وے
یار فرید نہ وسرم ہرگز سکدی ویساں مروے

****

صداقت ایک ایسا عمل ہے جسے ہمیشہ ایک عظیم عمل کے طور پر قبول کیا گیا ہے۔ ادب میں صداقت کو ایک خاص انداز میں دیکھا جاتا رہا ہے اور تقریباً سبھی ناقدین نے اس کی اہمیت کو تسلیم کیا ہے۔ ارسطو بھی اپنے تنقیدی اشارات میں صداقت کے سلسلے میں ایک خاص رویہ اختیار کرتا ہے۔ جب وہ شاعری میں اس کی ضرورت پر بات کرتا ہے تو اس کا انداز اس ذیل میں وسعت اختیار کر جاتا ہے۔ وہ اعلیٰ و ارفع شاعری میں اس کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے کہتا ہے کہ ایسی شاعری میں آفاقی صداقتیں اظہار پاتی ہیں۔ اس طرح اس کے اس اشارے سے جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ شاعری میں صداقت ایک ایسا عمل ہے جو اپنی جگہ آپ بنا لیتا ہے اور اس میں آفاقیت بھی ہوتی ہے۔

فرید شاعری کے جس دبستان سے تعلق رکھتا ہے اس میں صداقت جیسے عمدہ عمل کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ اس دبستان سے تعلق رکھنے والے سبھی لوگ اس کی تلاش اور اظہار ہی کو زندگی کی بہترین حکمت عملی قرار دیتے ہیں۔ گویا صداقت ان کے کردار کے لازمی حصے اور خصوصیت کے طور پر سامنے آتی ہے۔

فرید کی شاعری کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ فرید کے یہاں بھی عظیم اور آفاقی صداقتیں اپنی ہمہ جہت خوبصورتیوں کے ساتھ اظہار کے مراحل سے گذر رہی ہیں۔ مثلاً زندگی ایک صداقت ہے لیکن موت اس سے بھی بڑی صداقت کا نام ہے۔ فرید کے یہاں جہاں زندگی کی بات ہوئی ہے وہاں موت کے سبھی پہلوؤں کی تفصیل اس طرح بیان ہوئی ہے کہ فرید کا قاری اس بیان کے بنیادی مقاصد تک رسائی حاصل کر لیتا ہے۔ فرید کی شاعری میں صداقتوں کا اظہار انسان کے لئے ہے اور انسان بذات خود ایک عظیم ترین صداقت ہی کا درجہ رکھتا ہے۔ وہ اپنی شاعری میں انسان اور اس کے طرز عمل کو موضوع بنا کر تخیل کی گہرائی کے ساتھ اسے اس طرح وسعت دیتا ہے کہ وہ ایک آفاقی صداقت

بن کر منظر نامے پر اپنی جگہ بناتا ہے ۔ فرید نے زندگی کی قابل ذکر صداقتوں کے اظہار میں اچھوتا انداز اختیار کیا ہے جو اسے ایک عظیم شاعر کے علاوہ عظیم انسان بھی ثابت کرتا ہے ۔ اس کے گہرے مشاہدے اور وسیع مطالعے نے اس کے اظہار میں عجیب رنگ بھر دیا ہے ۔ وہ باتیں جنہیں ایک عام آدمی اکثر اوقات عام سی باتیں سمجھ کر ان پر کوئی توجہ نہیں دیتا ، فرید کے یہاں وہی باتیں بے حد اہمیت اختیار کر لیتی ہیں اور ان کی اہمیت کو تسلیم بھی کرنا پڑتا ہے ۔ اس کی پوری شاعری کی بنت سچائی کے تانے بانے سے ہوئی ہے ۔ وہ جو بھی بات کرتا ہے صداقت کو بنیاد بنا کر ہی کرتا ہے جس سے اس کی شاعری کا درجہ بے حد بلند ہو جاتا ہے ۔

جیوݨ ڈینھ اڈھائی دو یار
سٹ گھت فخر وڈائی وو یار
کتھ او ہینگھ ، چپل ، ملکاݨے ناز حسن کتھ راج ہپاݨے
کتھ ماء بھیݨیں ، بھائی وو یار
جوبن ساتھی چار ڈینھاں دا جھٹ پٹ ضعف بڈھیپا گندا
کوڑی آس پرائی وو یار

••••

ڈکھڑیں کارݨ جائی ہم
سولیں سانگ سمائی ہم
درد اندیشے سکڑے سورھے ہیلݨ بھیݨیں تے بھائی ہم
جگلی کملی سنجڑی دھر دی ہک غم دی سدھرائی ہم
جاوݨ لا دی پنڈ بلا دی چم سر اکھیاں چائی ہم
راحت ویندیں وداع نہ کیتم مٹی ہم پر متڑائی ہم
کیویں شہر فرید وساراں
جیں کیتے اتھ آئی ہم

••••

کیا عشق اڑاہ مچایا ہے
ہر روز لیہ سوز سوایا ہے
دل لانوݨ حال وچہانوݨ ہے سکھ ڈیوݨ تے ڈکھ پانوݨ ہے
غم کھانوݨ درد نبھاوݨ ہے بیڑا بے شک کوڑا اجایا ہے

••••

توں بن حضرت یار
ہر دم پھراں حیرانی
عشق اوڑا پیش پیوسے دل نوں واردار
تن من سو سو کانی
درد فرید ہے چیز مہانگی تھیندے وچ ویار
جندڑی کر قربانی

••••

ویسوں سنج صباحیں
خالی رہسن جائیں
پکھی پردیسی اجھے سروے ڈو ڈینہ دے خلقائیں
ملک بیگانہ دیس پرایا کوجھیاں کوڑ بنائیں
نہ کوئی ساتھی نہ کوئی سنگتی کیتوں درد سنائیں
عشق فرید ہموں ڈکھ ڈترے بجھیاں برہوں بلائیں

••••

ارسطو کے تنقیدی نظریات کی روشنی میں کلام فرید پر نظر ڈالنے کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ فرید کی شاعری میں وہ تمام خوبیاں موجود ہیں جنھیں اعلیٰ و ارفع شاعری کا معیار قرار دیا جاتا ہے۔ فرید اپنی شاعری میں واقعات اور مظاہر کی انتہائی جاندار اور حسین انداز میں عکاسی کرتا ہے۔ وہ ایسے واقعات کو بھی اپنی شاعری کا موضوع بناتا ہے جو پیش تو نہیں آئے لیکن جن کے پیش آنے کا امکان ہو سکتا ہے یعنی ایسے واقعات کو ممکنات

میں شامل کیا جا سکتا ہے ۔ اس سے فرید کی پیش بینی کا اندازہ ہوتا ہے ۔ اس کی شاعری کا مطالعہ کرنے سے انسانی جذبات پر مثبت اثرات مرتب ہوتے ہیں جس سے تزکیہ نفس کی صورت پیدا ہوتی ہے ۔ اس کی شاعری انسان کے اخلاقی نظام میں بہتری پیدا کرنے سبب بنتی ہے ۔ اس طرح وہ افلاطون کی طرف سے شاعری پر عائد کئے گئے الزامات کی بھرپور انداز میں نفی کرتا ہے ۔ وہ تخلیق جمال میں حد درجہ مہارت رکھتا ہے ۔ اس کے فن پارے اپنے قاری کو ایک الگ انداز میں مسرت و انبساط عطا کرتے ہیں ۔ اس کا تخیل نہایت گہرا ، مطالعہ وسیع اور مشاہدہ قابل رشک ہے اور وہ ان کا اظہار کرنے کا بھی اعلیٰ سلیقہ رکھتا ہے ۔ اس کی شاعری میں بلاشبہ عظیم اور آفاقی صداقتیں اظہار پاتی ہیں ۔ اس طرح فرید ان سبھی معیارات کی تکمیل کرتا ہے جنہیں ارسطو اعلیٰ و ارفع شاعری کے لئے بے حد ضروری قرار دیتا ہے ۔

****

فرید اور لانجائنس

لانجائنس عہد روما کا وہ عظیم نقاد ہے جس نے فن تنقید میں ایک نئی روح پھونکی۔ لانجائنس سے پہلے افلاطون اور ارسطو نے ادب کو اس کی عملی صورت میں پرکھا اور اس پر مختلف النوع سوالات اٹھائے۔ انہوں نے ادب کو ترغیب دینے، مسرت بہم پہنچانے اور تزکیہ نفس کا ذریعہ سمجھا جبکہ لانجائنس ادب کو روح پرور اور وجد آفریں سمجھتا ہے۔ اس کے نزدیک تخیل اور جذبے کے فطری لوازمات عظیم ادب کی بنیادی ضرورت ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ عظیم ادب کے لئے اکتسابی اور فنی عناصر کو اس طرح اہم سمجھتا ہے جیسے جسم کے لئے روح۔ لانجائنس اعلیٰ و ارفع ادب کو محض ان عناصر کا محتاج نہیں سمجھتا جو فطری ہیں بلکہ اس کے نزدیک عظیم ادب کے لئے فطری عناصر کی موجودگی کے ساتھ ساتھ فنی اکتساب اور ذہنی تنظیم و ترتیب بھی لازمی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ فطری عناصر تخلیقی ہوتے ہیں اور فنی عناصر تنظیمی۔ اس طرح اعلیٰ و ارفع ادب فطری و فنی یا تخلیقی اور تنظیمی عناصر سے مل کر وجود میں آتا ہے۔

لانجائنس معیاری یا اعلیٰ و ارفع ادب سے صرف دو تقاضے کرتا ہے۔ اول یہ کہ اس میں اعلیٰ تاثرات و وجدانی کیفیات پیدا کرنے کی صلاحیت موجود ہو اور دوم یہ کہ اس میں ہر زمانے میں ہر فرد کے لئے ایک کشش موجود ہو۔ اس لئے اس نے عظیم ادب کے لئے ایک اصول وضع کیا جسے وہ اصول ترفع (Sublimity) کہتا ہے۔ وہ اپنے مشہور زمانہ رسالے جس کا انگریزی ترجمہ On The Sublime ہے میں کہتا ہے کہ

" ترفع زبان کی عظمت و شوکت ہے اور اس کا مقصد شعر اور نثر دونوں میں انسانوں کو وجدانی کیفیات کا حامل بنانا ہے اور یہ کام ایک موثر اور بروقت ضرب سے لیا جاتا ہے۔ "

وہ ترفع کے اثر کی تشریح کرتے ہوئے کہتا ہے کہ " عظیم اختراعی ذہن کی حامل تحریریں قاری کو ترغیب نہیں دیتیں بلکہ

اسے عالم وجد میں پہنچا دیتی ہیں ۔ "

لانجائنس کے ذہن میں اعلیٰ و ارفع ادب کے بارے میں ٹھوس تصور ہے ۔ وہ سمجھتا ہے کہ قاری کے لئے ادب صرف ترغیب اور مسرت کا باعث نہیں ہوتا بلکہ وہ اسے ترفع بخشتا ہے اور اسے وجد آفرین کیفیات کی بلندی پر لے جاتا ہے ۔ اعلیٰ و ارفع ادب کا اثر بہت مسحور کن ہوتا ہے اور اس کے اثر سے قاری خود کو زندگی کی عام سطح سے بلند تر محسوس کرتا ہے ۔ اعلیٰ و ارفع ادب کا یہ اثر مسحور کن ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت لطیف اور پاکیزہ بھی ہوتا ہے ۔

لانجائنس ترفع کے لئے پانچ ماخذ بیان کرتا ہے جن کے بغیر اس کے خیال کے مطابق کوئی ادب اعلیٰ ادب کہلانے کا مستحق نہیں ۔ وہ پانچ ماخذ حسب ذیل ہیں ۔

۱۔ عظمت خیال یا تخیل کی بلندی

۲۔ شدت جذبات

۳۔ صنائع بدائع کا مناسب استعمال

۴۔ عظمت زبان یعنی بہترین الفاظ کا انتخاب اور

۵۔ موثر اور پر شوکت ترتیب الفاظ

لانجائنس ترفع کے لئے بتائے گئے ماخذ میں اولیں دو کو فطری یعنی تخلیقی اور موخرالذکر تین کو فنی یعنی تنظیمی قرار دیتا ہے ۔ تخلیقی عناصر کے سلسلے میں اس کا خیال ہے کہ گو فطرت ہر قسم کے اظہار میں آزادانہ کام کرتی ہے لیکن وہ بے ترتیب و بے راہ رو ہرگز نہیں ہوتی کیونکہ بے تنظیمی اور انتشار فطرت کی خصوصیت نہیں ۔ فطرت کے اظہار کا ایک ایسا نظام ہے جسے فن نمایاں کرتا ہے ۔ اس کے الفاظ میں

" عظمت کو تازیانے کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور لگام کی بھی ۔
فطرت اچھی قسمت کے مترادف ہے جبکہ فن نیک صلاح و مشورے
کے ۔ ہم فن کے وسیلے ہی سے سمجھ سکتے ہیں کہ ادب کے بعض
تاثرات صرف فطرت ہی سے حاصل ہوتے ہیں ۔ "

اب ہم لانجائنس کے ترفع کے لئے بتائے گئے پانچوں مواخذ کی روشنی میں فرید

کے کلام کا جائزہ لیں گے کہ فرید لانجائنس کے بتائے گئے اعلیٰ و ارفع ادب کی اس کے معیار کے مطابق کس طرح تخلیق کرتا ہے۔

لانجائنس سب سے پہلے عظمت خیال کو ترفع کے لئے لازمی قرار دیتا ہے۔ عظمت خیال کے بارے میں وہ کہتا ہے کہ خیال کی عظمت در حقیقت روح کی عظمت کی صدائے بازگشت ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے نفس کو اعلیٰ ترین خیالات کی غذا بہم پہنچاتا ہے اور اعلیٰ ترین محرکات ہی قبول کرتا ہے تو اس عمل میں اس کی تہذیب نفس ممکن ہے اور یہ تہذیب نفس روح کی عظمت میں اضافہ کرتی ہے۔ اس کے برخلاف پست خیالات اور عامیانہ جذبات سے عظیم اور اعلیٰ اظہار ممکن نہیں۔

عظمت خیال کے سلسلے میں جب ہم کلام فرید کا جائزہ لیتے ہیں تو اس کے کلام سے پہلے اس کے تصوف، روحانیت میں مقام اور اس ماحول پر نظر پڑتی ہے جس میں اس نے تربیت پائی اور زندگی گزاری۔ فرید نے جس گھر میں آنکھ کھولی اسے روحانیت کا گہوارہ اور پشت ہا پشت سے ولایت کا حامل گھرانہ ہونے کی عظمت حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فرید کے کلام میں شامل جس بھی کافی پر نظر پڑتی ہے، اس میں ایک انوکھی جدت، بے مثال جذبہ، عمدہ زبان اور عظیم تخیل نظر آتا ہے۔ اس کے کلام میں تخیل کی وہ بلندی دیکھنے کو ملتی ہے کہ جو صرف فرید ہی کا حصہ ہے۔ قاری کلام پڑھتا ہے اور کلام کے ساتھ ساتھ خود کو ترفع کی اس دنیا میں محو پرواز محسوس کرتا ہے جسے لانجائنس عالم وجد کا نام دیتا ہے۔ فرید کا کلام ایک ایسا گلستان ہے جس میں ہزار ہا رنگ کے پھول کھلے ہوئے ہیں اور جس کا ہر پھول ایک نرالی چھب اور ایک انوکھے انداز میں اپنے ناظر کے سامنے آتا ہے اور اسے لذت و وجد سے ہمکنار کرتا ہوا اگلے پھول کی طرف روانہ کر دیتا ہے۔ یہ فرید ہی کے کلام کا کمال ہے کہ اس کا قاری اسے پڑھ کر صرف وقتی کیف و سرور حاصل نہیں کرتا بلکہ اس کی خوشبو اس کے ذہن میں تازیست سمائی رہتی ہے۔ یوں تو فرید کا ہر مصرعہ عظمت خیال کا حامل ہے لیکن یہاں اس کے کلام میں سے چند بند پیش کئے جا رہے ہیں جو لانجائنس کے عظمت خیال کے بارے میں کئے گئے تقاضے کو اس کی توقع سے بڑھ کر پورا کرتے ہیں۔

آپے یار محبت چایم ڑی
ولج آپ کوں آپ اڑایم ڑی
سب ڈکھاں سولاں دی تات طمتم　　　غم درد اندوہ برات طمتم
بھیڑے ڈکھڑیں مار مُنجھایم ڑی
سوہنا ہوت پنل چھڈ کیچ گیا　　　جگ سوز فراق دا بیچ بیا
جو لکھیا بھڑے پایم ڑی
منجھا یار پنل گیا کیچ رٹھا　　　سر علمی منہہ جو منھ وٹھا
رب ایڑے یار سہایم ڑی
ہک وار فرید نوں یار ملے　　　سروں بار ھجر دا بار ٹلے
جیندے کارن عمر گنوایم ڑی

••••

اج پہلوں سیج سڑیندی ہے
تی تول سڑی چک پیندی ہے
ڈنگھ فراق اساں سرکڑکے　　　دل ڈی بھڑکے چھاتی تھڑکے
سول نویں نت ڈیون دھڑکے　　　سختی سخت ستیندی ہے
اجڑی رنگت بھنڑے بھنڑے　　　یار حسیلاں سرے ترٹڑے
آئے ڈکھ کشٹڑے سکھڑیں کھنڑے　　　پل پل پیڑ موجھیندی ہے
وطن پیاساں چایاں ننگیاں　　　خوشیاں ڈنگیاں موجھاں مسکیاں
ساٹوں ڈوڑیاں ڈوڑیاں خنگیاں　　　قسمت رخ بدلیندی ہے
مسک لکھڑی پیش ہیوے　　　یار فرید نہ کھڑ موکلیوے
بیدرداں دے ساتھ رلیوے　　　سب کئی مہنڑیں ڈیندی ہے

••••

پئی پیت دے پندھ پرے
برے برہوں دے بار بریرے
ٹول خوشی دے رول ڈٹے — وہ سوالاں لائی کانی
ڈھول نہ نیتم کول مٹھی — گیا جوبن جوش جوانی
ہار سنگار نہ کجھ مکلایا
ترڑے پھلوں سہرے

تانگھاں یار دیاں سانگاں — کتیں برہوں سٹایاں ہانگاں
کجلے وال تے اجڑیاں مانگھاں — لکھدی ہجر دے کانگاں
کر دی چانگاں جھن نہ تانگھاں
سکھ دے پڈ گئے بیڑے

راہ جبل دے مارو تھل دے — سانگ کسانگ اجل دے
آون یاد چل دے راڑے — پور پوون پل پل دے
ڈکھڑے ولول پکھڑے ڈھلدے
درد اندوہ گھنیرے

ویس وٹیسیاں دیس چھوڑیساں — جوگن تھی گذریساں
خاک رمیساں، دھونی لیساں — نازک مینھ نبھیساں
شرم لوڑھیساں بھرم بوڑیساں
کیجو کھلسن کھیڑے

••••

لکھ لکھ سول ہزاراں ڈکھڑے — سو سو فکر جو آیم پکھڑے
بے شک ضرب حبیب ذہیب

••••

یار برو چل کانڑ
رلدی روہ ڈونگر وچ

لائیس جڑ کریانڑ ولڑی جان جگر وچ
سینگیاں سرتیاں کتھ رجھایا اپنڑے ڈھول کوں پایا
میکوں میڈڑے مانڑ رولیا سجڑے بروچ
ریت تتی بیا ڈکھڑے کھانٹے کھڑبن کھوپ گپاٹے کھانٹے
سٹ گیا جانڑ پچھانڑ کانی مار اندر وچ
راہ اولڑے اوکھیاں گھاٹیاں چبھدے ککرے کنڈڑے کاٹھیاں
مارم سول وڈانڑ آیم ظلم قہر وچ
پہلے ڈینھ دی قسمت پٹھڑی جیدیں ویلھے اہری مٹھڑی
ڈُترا ڈکھ دا ڈانڑ لوڑہس برہوں بحر وچ

لانجائنس ترفع کے لئے اپنے اصولوں میں عظمت خیال کے بعد شدت جذبات کو اعلیٰ و ارفع شاعری کی اہم ضرورت قرار دیتا ہے۔ اس کے نزدیک اعلیٰ اسلوب شدت جذبات کے بغیر پایہ تکمیل کو نہیں پہنچتا۔ وہ صنعت کلام اور شدت جذبات کو ایک دوسرے کے ساتھ فطری تعلق کے آئینے میں دیکھتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ احساس ترفع اور شدت جذبات دونوں فن کار کی روح کے انتہائی قریب ہیں۔ وہ جذبہ ترحم، خوف اور غم کو ترفع بخش قرار نہیں دیتا۔ ترحم، خوف اور غم کے جذبات کی نفی کرتے ہوئے وہ ہمیں بتاتا ہے کہ یہ جذبات دراصل قاری کو اس کی ذاتی سطح پر لے آتے ہیں جبکہ ترفع بخش کلام قاری کو وجدانی کیفیات سے ہمکنار و سرشار کرتے ہوئے اس کی سطح کو بلند کر دیتا ہے۔ وہ ایسے کے صرف ان حصوں کو ترفع بخش ہونے کی رعایت دیتا ہے جن میں قاری کو وجدانی اور روحانی بلندیوں تک لے جانے کی صلاحیت پائی جائے۔ لانجائنس فن کو مقصدی زاویہ نظر سے نہیں دیکھتا بلکہ وہ فن پارے کے روحانی ترفع کا ایک نظریہ پیش کرتا ہے۔

لانجائنس نے ترفع کے لئے جو اصول وضع کئے، بد قسمتی سے ان اصولوں کے بارے میں اس کے پورے خیالات ہم تک نہیں پہنچے۔ اس کی تحریروں سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ وہ اس سلسلے میں ایک مکمل کتاب مرتب کرنے کا ارادہ رکھتا تھا جو وہ مرتب نہ کر سکا تاہم اس اصول پر ہم تک جو مواد پہنچا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے نزدیک شدت جذبات کے بغیر کلام پھسپھسا اور بے لطف ہوتا ہے۔ اس کے بغیر کلام میں وہ کشش ہرگز نہیں ہوتی جو اعلیٰ جذبات کے حامل اعلیٰ و ارفع کلام میں ایک قاری محسوس کرتا ہے۔

جہاں تک فرید کے کلام میں شدت جذبات کی موجودگی کا تعلق ہے، اس کے کلام کے مطالعے سے کوئی بھی قاری اس میں پائی جانے والی شدت جذبات کے زیر اثر احساس ترفع سے ہمکنار و سرشار ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس کلام کا مطالعہ اپنے قاری کو جذبات کی اس پاکیزہ ترین بلندی پر لے جاتا ہے جو لانجائنس کی متوقع بلندی سے کہیں زیادہ ہے۔ اپنے جذبات کا شدت سے اظہار کرنا ہی فرید کا بنیادی کمال ہے۔ فرید کی کافیاں روح کو تازگی اور احساس کو بالیدگی سے دوچار کرتی ہیں اور قاری ان کے مطالعے سے یوں محسوس کرتا ہے کہ جیسے دنیا میں موجود رنگوں سے ہٹ کر آنکھوں کو بھلے لگنے والے کچھ انوکھے اور اچھوتے رنگ اس کی نظروں کے سامنے آ گئے ہوں۔ اس کے کلام میں جو انوکھا کرب پایا جاتا ہے وہ قاری کو بلاشبہ وجدانی کیفیت اور روحانی بلندی پر لے جا کر ایک پرگداز احساس ترفع سے روشناس کراتا ہے۔ اس کے کلام کا ایک ایک مصرعہ بے حد پر کشش اور لافانی ہے جس سے سرائیکی زبان سے پوری واقفیت رکھنے والا ہر شخص ایک پاکیزہ اور ناقابل بیان لذت حاصل کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ فرید کے کلام کے مطالعے سے سوچوں میں عجیب نکھار اور جذبات میں تموج پیدا ہوتا ہے جو قاری کو ایک الگ دنیا کا باسی بنا کر اسے ایسی بلندی عطا کرتا ہے جو قاری کی توقع سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ مثلاً یہ بند دیکھئے۔

عشق انوکھڑی پیڑ سوسو سول اندر دے
مین وہانوم نیر، الڑے زخم جگر دے
برہوں بکھیڑا، سخت اوپڑا   خویش قبیلہ لانوم جھیڑا

مارم ماہ بیو ویر ، دشمن لوک شہر دے

تنگ اوڑی ، سانگ کلڑی جھوڑی جلڑی ، واڑی گلڑی

تن من دے وچ تیر ، مارے یار ہنر دے

بیت پنل دی ، سک پل پل دی مارو تھل دی ریت پچھلدی

ڈکھ لاتون تڑ بھیڑ ، جو سرورے سو کردے

●●●●

مٹھڑا لائیم کارنڑ سکھ دے میاں

پے ہڑنے ڈوڑے ڈکھ دے میاں

وچ دلڑی درد اندوہ بھری پئی روڑی واگے چنگ وڑی

نت سڑم تی دکھ دکھ دے میاں

کہیں خبر ڈساں میں ڈھالاوی دل سنجڑی منجڑی مندھ لاوی

تھوڑے گالھوں ویندی ڈکھ دے میاں

●●●●

اور یہاں شدت جذبات اور جذبات کے اظہار کا ایک اچھوتا انداز دیکھئے۔

رل مل ڈکھڑے آئے بکھڑے	اجڑیاں خوشیاں نبھ گئے سکھڑے
گانے گھٹے سرے سکڑے	سنجڑے غم دے سانگ رلیوے
اوکھیاں گھاٹیاں ڈونگر کالے	تترے ٹٹڑیں بیر پچھابے
ڈکھ کھا کھا سنجواہ وچالے	تھی بے واہ ڈوہاگ چھکیوے
رکھساں دم دم نال سنبھالے	سساں روگ کروپ کشالے
بھالے یار فرید نہ بھالے	جیں زورے جند جاں لٹیوے

●●●●

پل پل سول سوایا ہے

جی مفت ڈکھاں وچ آیا ہے

دور گیا منظور دلیں دا — تن من دھن ہے مال جھیڑا
شالا ڈھولنڑ ملم چھیڑا — درداں حت ستایا ہے
دشت بیاباں جال اساڈی — سوز اندوہ دی چال اساڈی
ماتم حال تے قال اساڈی — عشق بھوں ڈکھ لایا ہے
چاک کیتے دل چاک مییں دے — کون کللڑے زخم کوں سیندے
مرہم وصل وصال تیں دے — کھیڑا کوڑ اجایا ہے
برہوں الٹی جڑ کر لائی — سڑدیں بلدیں پھراں لکائی
لوک کیا جانڑے پیڑ پرائی — جو لکھیا سو پایا ہے

••••

چل تھیوں پلدھی یارا
چھنڑ کے کلھڑی بروچ

سول دے سرے سوز دے گانے — مونجھ دے ہار ڈکھاں دے گہنڑے
دردی باجھ سرلدی یارا — وسدی پاس گھر وچ
مٹھڑ اوڑا ، دشمن وڈھا — ماء پیو رکھم بکھیڑا جھیڑا
کیا بروی کیا پلدی یارا — کرویاں لوک ٹبر وچ
مارو تھل دے ڈکھڑے کھانے — کپ کھڈ ، کھر بنڑ کھوپ کپانے
رات ڈینہاں تڑ بھلدی یارا — رلدی روہ ڈونگر وچ
برہوں بلائیں سنجھ صباحیں — دم دم آہیں نکلن واہیں
سنجھ فرید نہ بھلدی یارا — لگدی چوٹ اندر وچ

••••

فرید کے کلام کی یوں تو ان گنت خصوصیات ہیں جو صرف اسی کا حصہ ہیں لیکن اس میں کلام نہیں کہ فرید کے یہاں جو شدت جذبات پائی جاتی ہے اس کی گرد کو بھی کوئی اور شاعر نہیں چھو سکا ۔ فرید یقیناً وہ خوش نصیب شاعر ہے جس پر شاعری کی دیوی میران

کن حد تک مہربان دکھائی دیتی ہے ۔ کلام فرید میں شدت جذبات نے اسے بلاشبہ ایک ایسا کلام بنا دیا ہے جو ترفع بخش ہونے کے علاوہ بصیرت افروز بھی ہے ۔

لانجائنس اعلیٰ و ارفع ادب میں جہاں فطری عناصر کا بنیادی ضرورت کے طور پر ذکر کرتا ہے جنہیں وہ تخلیقی عناصر کا نام دیتا ہے وہاں فنی یا تنظیمی عناصر کی موجودگی کو بھی اعلیٰ و ارفع ادبی تخلیق کا جزو لاینفک قرار دیتا ہے ۔ وہ کہتا ہے کہ اچھی قسمت کے لئے نیک صلاح مشورہ سونے پر سہاگے کا کام کرتا ہے بلکہ وہ تو تخلیقی عناصر کو عظمت اور تنظیمی عناصر کو تازیانے سے تعبیر دیتا ہے ۔ اس کے بقول عظمت کو تازیانے کی ضرورت بھی ہوتی ہے اور لگام کی بھی ۔ اس طرح تخلیقی اور تنظیمی عناصر میں جو گہرا تعلق پایا جاتا ہے اس کے اس قول سے اس پر مکمل روشنی پڑتی ہے ۔ وہ کہتا ہے ۔

" فن کا کمال یہ ہے کہ وہ فطرت معلوم ہو اور فطرت کی کامیابی اس میں ہے کہ اس میں فن چھپا ہوا ہو "

لانجائنس کے بتائے ہوئے تنظیمی عناصر اور ان کی اعلیٰ و ارفع ادب میں ضرورت اور تخلیقی و تنظیمی عناصر کے باہمی تعلق کا سرسری جائزہ لینے کے بعد اب ہم شاعری میں صنائع بدائع کے مقام کو زیر بحث لاتے ہیں جنہیں لانجائنس تنظیمی عناصر میں اولین حیثیت دیتا ہے اور ترفع کے ایک اہم ماخذ کے طور پر بیان کرتا ہے ۔

لانجائنس کے نزدیک صنائع بدائع میکانکی طور پر استعمال نہیں ہوتے اور نہ ہی یہ کسی شاعر یا خطیب کی بے بنیاد ایجاد ہوتے ہیں جنہیں وہ من مانے طریقے سے استعمال کر لیتا ہے ۔ وہ کہتا ہے کہ صنائع بدائع اسلوب کو حیرت انگیز لطافت عطا کرنے کا ایک ایسا اہم ذریعہ ہیں جس کا تعلق انسان کے پر خلوص جذبات سے ہے اور جو انسان کی جمالیاتی حس کو متاثر کرتے ہیں ۔ اس کے خیال میں امتیازی اسلوب اور صنائع بدائع ایک دوسرے کی معاونت کرتے ہیں ۔ وہ اس طرح کہ جہاں صنائع بدائع امتیازی اسلوب کو بلند پایہ اور بلیغ بنانے کا وسیلہ بنتے ہیں وہاں اعلیٰ و ارفع اسلوب صنائع بدائع کو زیادہ سے زیادہ وقیع اور موثر بناتا ہے ۔ لانجائنس کہتا ہے کہ اگر صنائع بدائع کا کلام میں استعمال مناسب اور متوازن ہو تو اسلوب

کو جذباتی کیفیت اور احساس کو گرمی نصیب ہوتی ہے اور اس طرح فنی لوازم کے ذریعے ان تاثرات کی تخلیق ہو جاتی ہے جو عام طور پر پرخلوص جذبات کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ اس کا خیال ہے کہ صنعتیں شدید جذباتی اظہار کے تاثر کو دوچند کرنے کا سب سے اعلیٰ وسیلہ ہیں۔ ان کے استعمال سے سیدھے سادے جذباتی اظہار میں گرمجوشی اور شدت پیدا ہو جاتی ہے۔ لانجائنس ہمیں صرف صنائع بدائع کی قسمیں نہیں بتاتا بلکہ کلام میں ان کے اثر اور شعر میں ان کے عمل کے تصورات کو بھی ہمارے سامنے پیش کرتا ہے۔ بعض اوقات تو وہ صنعتوں کے ان نفسیاتی تقاضوں پر پرمغز بحث کرتا ہے جنہیں صنعتیں پورا کرتی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی وہ پر زور تقاضا کرتا ہے کہ صنائع بدائع کا استعمال نہایت مناسب اور موزوں ہونا چاہیئے ورنہ کلام میں مختلف قباحتیں پیدا ہو جائیں گی۔ وہ ان کے استعمال میں سنجیدگی، مقام، محل، طریقہ اور مقصد پر زور دیتا ہے۔ وہ جذبے اور تخیل کے منظم اظہار کو پسند کرتا ہے اور فطری عناصر کو فنی اور فنی عناصر کو فطری دائرے میں دیکھنا چاہتا ہے۔

صنائع بدائع اور ان کے مناسب استعمال کے بارے میں لانجائنس کے نظریات و خیالات کی روشنی میں جب ہم فرید کے کلام کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں اس کی شاعری پر لانجائنس کی روح داد دیتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ فرید کے کلام کے مطالعے سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ رب قدیر نے جہاں اسے تخلیقی صفات سے نوازا تھا وہاں اس کے مطالعے، مشاہدے اور فن پر دسترس نے اسے اعلیٰ درجے کی اکتسابی صلاحیتوں کا حامل شاعر بھی بنا دیا تھا۔[۲۱] فرید نے اپنے کلام میں صنائع بدائع کا اس قدر مناسب انداز میں استعمال کیا ہے کہ ان کے مطالعے کے بعد قاری خود کو ایک وجدانی کیفیت کے زیر اثر محسوس کرتا ہے۔ وہ روح میں تازگی اور احساس میں گرمی محسوس کرنے لگتا ہے۔ اس کے کلام میں صنعتوں کا اس طرح استعمال ہوا ہے کہ ایک طرف تو اس کی صوتی چاشنی دوبالا ہو گئی ہے اور دوسری طرف اس کا ہر مصرعہ امتیازی اسلوب کا حامل ہو گیا ہے۔ فرید کا کلام پڑھنے سے اس کے قاری میں ایک ایسی جمالیاتی حس بیدار ہوتی ہوئی محسوس ہوتی

ہے جو اسے حیرت انگیز لطافت سے ہم کنار کرتی ہے ۔ صنعتوں کے اس قدر اعلیٰ انداز میں استعمال نے اظہار کی تاثیر کو اس طرح دو چند کر دیا ہے کہ قاری قدم قدم پر عش عش کر اٹھتا ہے[۳۷]۔ فرید کے کلام میں اس کا اعلیٰ و ارفع تخیل ، بہترین اسلوب ، انداز اور صنائع بدائع کا عمدہ استعمال دیکھ کر لانجائنس کے بقول فن فطرت اور فطرت فن دکھائی دینے لگتی ہے ۔ اس کے کلام میں صنعتیں یوں وجود میں آئی ہیں کہ کلام کے مطالعے کے بعد قاری کے دل میں کہیں بھی آورد کا گمان پیدا نہیں ہوتا ۔ قاری کی طرف سے یہی رد عمل درحقیقت صنائع بدائع کے مناسب استعمال کی تصدیق کا درجہ رکھتا ہے ۔ فرید کے کلام میں فطری اور فنی عناصر کو اس طرح یک جا کیا گیا ہے کہ ہر دو عناصر ایک دوسرے کی معاونت کرتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں جس سے کلام کی بلاغت ، لطافت ، نفاست اور اسلوب کی خوبصورتی میں بے حد اضافہ ہو گیا ہے ۔

صنعتوں کا بیان بہت طویل اور اقسام لا تعداد ہیں اس لئے یہاں ان کا مفصل تذکرہ ممکن نہیں ۔ اس لئے یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ فرید کے کلام میں صنعتیں اپنے تمام تر حسن کے ساتھ موجود ہیں ان کی کچھ مثالیں درج کی جا رہی ہیں ۔ یہاں یہ ذکر بھی مناسب ہو گا کہ ان مثالوں میں شامل صنعتوں کی اقسام پر بحث نہیں کی گئی کیونکہ یہ نہ تو موضوع کا تقاضا ہے اور نہ ہی اس قدر تفصیل قاری کے لئے مناسب ہے ۔ کلام فرید میں صنعتوں کے ذیل میں چند مثالیں :

صنعت ذو قافیتین

گرز گئی گذران ، غم دے سانگ رلیوے
ڈکھڑا جل جہاں ، نہ کجھ پلڑے پیوے

اس شعر کے پہلے مصرعے میں گذران اور رلیو دو قافیے استعمال ہوئے ہیں اور ان کے مقابل دوسرے مصرعے میں جہان اور پیو کو قوافی کے طور پر لایا گیا ہے ۔

عشق چلائے تیر ڈاڈھے ظلم قہر دے
یار ملیا بے پیر لوں لوں وچ سو درد ے

اس شعر میں پہلے مصرعے میں تیر اور قہر کو قوافی کے طور پر استعمال کیا گیا جبکہ

دوسرے مصرعے میں ان کے مقابل پیر اور در کو بطور قوافی استعمال کیا گیا ہے اس لئے مذکورہ بالا دونوں اشعار میں صنعت ذوقافیتین موجود ہے ۔ کلام فرید میں یہ صنعت لا تعداد اشعار میں موجود ہے بلکہ بہت سے اشعار تو ایسے ہیں کہ ان میں تین تین اور چار چار قافیے اس طرح استعمال میں لائے گئے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے اور ایسے اشعار کی خوبی یہ بھی ہے کہ وہ آورد کا شکار نہیں ۔

صنعت تجنیس

پیر مغاں مسجود جتوسے ، فرض فرید نماز نتوسے
کیتا من کرمن اقرار ، ہے خود اصل حقیقی مقصد

اس شعر میں صنعت تجنیس اس طرح موجود ہے کہ اس کے دوسرے مصرعے میں لفظ من دو بار استعمال ہوا ہے لیکن دونوں بار یہ مختلف معنی میں استعمال میں لایا گیا ہے ۔ پہلے من کا مطلب ماننا اور دوسرے کا مطلب دل ہے ۔

انڑ سونہیں دی گھنڈڑی کھول وے ان سنگ میں سنگ بول وے
تھیواں واری لکھ لکھ واری دار نبی مختار دی ہے

ان دونوں اشعار میں بھی صنعت تجنیس اس طرح موجود ہے کہ پہلے شعر کے دوسرے مصرعے میں لفظ سنگ دو بار استعمال ہوا ہے اور دونوں بار مختلف معنی میں استعمال ہوا ہے ۔ پہلے سنگ کا مطلب شرم ، جھجھک ، دریغ وغیرہ ہے اور دوسرے سنگ کا مطلب ساتھ ہے ۔ اسی طرح دوسرے شعر میں لفظ واری دو بار استعمال ہوا ہے اور دونوں بار مختلف معنی میں استعمال ہوا ہے ۔ پہلے لفظ واری کے معنی قربان ہونا ہیں اور دوسرے لفظ واری کے معنی باری کے ہیں ۔

صنعت قلب

عرشی تے بسطامی بگل لگ
روون زار و زار

اس شعر میں دو لفظ " بگل " اور " لگ " استعمال ہوئے ہیں ۔ بگل دو

حروف "گ" اور "ل" سے مل کر بنا ہے اس کی ترتیب یہ ہے کہ "گ" پہلے اور "ل" بعد میں آیا ہے۔ اگر اس ترتیب کو الٹ دیا جائے یعنی "ل" پہلے اور "گ" بعد میں لایا جائے تو اس سے لفظ لگ تشکیل پاتا ہے۔ اسی طرح لفظ "لگ" میں شامل حروف کی ترتیب کو الٹ دیا جائے تو لفظ "گل" وجود میں آتا ہے۔ اس شعر میں ایسے دو الفاظ استعمال ہوئے جن کے حروف کی ترتیب الٹنے سے دوسرا لفظ وجود میں آتا ہے یعنی گل کی ترتیب الٹیں تو لگ اور لگ کی ترتیب الٹیں تو گل بن جاتا ہے۔ اسی کو صنعت قلب کہتے ہیں۔

صنعت اشتقاق

آپے اپنا سونھاں کیتو آپے اپنی جاتے بیتو
ہن کیوں تھیندیں پرے دو پرے

اس بند میں آپے، اپنا اپنی ایسے الفاظ ہیں جو ایک ہی مصدر سے متعلق ہیں اس لئے اس بند میں صنعت اشتقاق وجود میں آگئی ہے۔

رانجھن تے میں جوڑ کوں جوڑوں جوڑ جوڑیندا جوڑ

اس میں جوڑ، جوڑوں اور جوڑیندا وغیرہ ایسے الفاظ ہیں جو ایک ہی مصدر سے متعلق ہیں، اس لئے یہاں بھی صنعت اشتقاق کا بھرپور انداز میں ظہور ہوا ہے۔

صنعت تکراز یا تکریر

پل پل تیر نگاہ دے پھلڑے ول ول پیچ زلف دے ولڑے
بے وس کیتوں کرے دو کرے

اس بند میں پل پل، ول ول اور بعد میں کرے دو کرے کی تکرار نے اس میں صنعت تکریر یا تکرار کی تخلیق کی ہے۔ یہ بات بھی لائق توجہ ہے کہ اسی بند میں ول ول اور ولڑے ایک ہی مصدر سے متعلق ہیں یعنی ولڑ سے مشتق ہیں، اس لئے اس میں صنعت اشتقاق بھی وجود میں آگئی ہے۔ ایسے اشعار یا بند جن میں ایک سے زیادہ صنعتیں پائی جائیں، انہیں صنعت مرکب کا حامل گردانا جاتا ہے۔

دلڑی دردوں ٹوٹے ٹوٹے　　پرزے پرزے زرے دو زرے

یہ دونوں مصرعے بھی صنعت تکریر کا بہترین نمونہ ہیں۔ ان میں ٹوٹے ٹوٹے، پرزے پرزے اور زرے دو زرے کی تکرار کے باعث یہ صنعت ظہور پذیر ہوئی ہے۔ فرید کے کلام میں اس صنعت کی ان گنت مثالیں موجود ہیں جو اپنے قاری کو تکرار سے بے حد متاثر کرتی ہیں۔

صنعت توسیم

ساڈا دوست دلیں دا ، نور محمد خواجہ
ڈھولا یار جٹیں دا ، نور محمد خواجہ

ساری ساڈی شرم بھرم دا　　تیڈے گل وچ لاجا
عرب دی تیڈی عجم دی تیڈی　　سندھ پنجاب دا راجا

صنعت توسیم اس وقت وجود میں آتی ہے جب شاعر قافیے کی بنیاد ایسے حروف پر رکھے کہ ممدوح کا نام اس میں آ جائے۔ اس کافی میں حضرت نور محمد خواجہ ممدوح ہیں اور اس کافی میں لفظ خواجہ پر ہی قافیے کی بنیاد ہے، اس لئے اس کافی میں صنعت توسیم کا ظہور ہوا ہے۔

صنعت تتابع

آئے مست ڈہاڑے ساونْ دے　　وہ ساونْ تے من بھاونْ دے

اس شعر میں بات سے بات نکلتی اور آگے بڑھتی ہوئی دکھائی دیتی ہے اور مصرعوں کے الفاظ اس طرح آئے ہیں جن سے محسوس ہوتا ہے کہ ایک کی متابعت میں دوسرا لفظ آیا ہے یعنی پہلے مصرعے کے لفظ ساونْ سے ایک بات سامنے آئی ہے جبکہ دوسرے مصرعے کے اسی لفظ نے نہ صرف بات میں زور پیدا کیا ہے بلکہ بات کو ایک تسلسل کے ساتھ آگے بھی بڑھایا ہے۔ یہی صنعت متتابع ہے۔

پاندھی بچھاں والیں تکاں　　طر سڑ بجھاں بچ بچ پکاں
ڑ ٹر بجھاں ، بچ بچ تھکاں　　بج بر رلایم ڈھول دے

یہ بند بھی صنعت متابع کی عمدہ مثال ہے جس میں بات سے بات آگے بڑھتی ہوئی دکھائی دیتی ہے اور ایک لفظ کی متابعت میں دوسرے الفاظ اس طرح آئے ہیں کہ بات میں ایک عمدہ تسلسل قائم ہو گیا ہے ۔

صنعت ردالعجز علی الصدر

یار فرید نہ آیم ویڑھے   ہر دم مونجھ مونجھاری وو یار

روندیں عمر گذاری وو یار

اس بند میں صنعت ردالعجز علی الصدر اس طرح وجود میں آئی کہ اس بند کا پہلا مصرعہ لفظ یار سے شروع ہوا اور بند کا آخری مصرعہ بھی اسی لفظ یار پر ہی ختم ہوا ہے ۔ اس بند میں الفاظ مونجھ اور مونجھاری کی موجودگی صنعت اشتقاق کو بھی وجود میں لاتی ہے ۔ اس طرح یہ بند صنعت مرکب کا حامل بھی ہے ۔

صنعت مبادلۃ الراسین

نوک غماں دی ، چوک ڈکھاں دی   دم دم دل درماندی

رات ڈینہاں تڑپھاں دی   کٹھڑی منٹھی سٹڑیں کھاندی

کجھ نہ بھاندی ہنی کرلاندی

سٹڑی عشق اوڑے

اس بند کے پہلے مصرعے میں صنعت مبادلۃ الراسین اس طرح موجود ہے کہ اس میں پہلے نوک غماں دی استعمال میں آیا ہے اور پھر نوک کے مقابل چوک اور غماں کے مقابل ڈکھاں کا استعمال ہوا ہے ۔ اس طرح لفظوں کی اس باہم تبدیلی سے یہ صنعت وجود میں آئی ہے ۔ اسے ہم اس طرح بھی واضح کر سکتے ہیں کہ اس بند میں دو ایسے مرکبات استعمال میں آئے کہ دوسرے مرکب کا پہلا لفظ پہلے مرکب کے پہلے لفظ کا ہم قافیہ ہے جبکہ دوسرے مرکب کا دوسرا لفظ پہلے مرکب کے دوسرے لفظ کا ہم قافیہ ہے ۔

نوک غماں دی

چوک ڈکھاں دی

ایک اور مثال دیکھئے ۔

ویس ویٹساں ، ویس چھوڑیساں   جوگن تھی گذریساں
خاک رمیساں ، دھوئی لیساں   نازک مینھ نبھیساں
شرم لوڑھیساں بھرم بوڑیساں
کیجو کھلسن کھیڑے

اس بند میں بھی وہی صورت حال پیدا ہوئی ہے کہ اس کے پہلے مصرعے میں ویس ویٹساں کے مقابل ویس چھوڑیساں استعمال میں آیا ہے اور لفظوں کی اس باہم تبدیلی سے صنعت مبادلۃ الراسین وجود میں آگئی ہے ۔ اسی بند کے پانچویں مصرعے میں بھی صفت مبادلۃ الراسین دیکھی جاسکتی ہے ۔

صنعت نظم النثر

میڈا عشق وی توں ، میڈا یار وی توں
میڈا دین وی توں ، ایمان وی توں

فرید کی یہ مشہور زمانہ کافی اور دیگر کئی کافیاں ایسی ہیں کہ جو ہر چند انتہائی قوی شعری اساس پر استوار ہوئی ہیں لیکن ان کی یہ خوبی بھی اپنی جگہ لائق توجہ ہے کہ ان کے مصرعوں کو اگر پڑھا جائے تو یہ نثر بھی معلوم ہوتے ہیں ۔ ایسا شعر جو اس خوبی کا حامل ہو وہی صنعت نظم النثر کا حامل ہوتا ہے ۔

صنعت تفریع

سٹیاں مٹیاں بٹھیاں کٹیاں   وٹیاں پٹیاں پتیاں
گھٹیاں خوشیاں پاڑوں پٹیاں   ہٹیاں سکھ دیاں رتیاں

ان مصرعوں میں پہلے مصرعے کا پہلا لفظ حرف نون غنہ پر ختم ہوا ہے ۔ اسی طرح مصرعے کا آخری اور اس کے بعد کے مصرعوں کے آخری لفظ بھی حرف نون غنہ پر ہی ختم ہوئے ہیں ۔ جب کسی شعر یا بند میں مذکورہ صورت حال پائی جائے تو اس عمل سے اس میں صنعت تفریع وجود میں آجاتی ہے ۔

صنعت تلمیح

فرید کا پورا کلام اس صنعت کے حسن سے اس طرح مزین ہے کہ حیرت ہوتی ہے ۔فرید نے اپنی شاعری میں جا بجا تلمیحات کا استعمال کیا ہے جس سے اس کے مطالعے کی وسعت کا اندازہ ہوتا ہے ۔

میڈا مٹھڑا ماٹھوں کاک جا
شالا راٹا ایندم رات

تیڈی سک دے کاٹ ستی ہم موہل کوں گھن سات
کاک کندھن تے رل مل ماٹوں ساونڑ دی برسات

ان اشعار میں کاک ، کاک کندھن اور موہل ایسے اشارے ہیں جو ایک مشہور داستان کی طرف ہماری رہنمائی کرتے ہیں ۔ کاک ندی صحرائے راجپوتانہ کی ایک افسانوی ندی کا نام ہے جس کے کنارے رومانوی کردار موہل مہندھرا کے خوبصورت محلات تھے ۔ سومل موہل کی بہن کا نام ہے ۔ کیونکہ یہ اشعار پڑھ کر مذکورہ پوری داستان ذہن میں آ جاتی ہے اس لئے ان اشعار میں صنعت تلمیح موجود ہے ۔

صنعت حسن تعلیل

ہنجڑوں جاری تتلے رتڑے پپلیاں اجڑیاں ہجڑیاں
لوکاں لیکھے اکھیں آیاں ظالم برہوں چونبھائیاں

◆◆◆◆

یار فرید نہ آیم ویڑھے ٹوکاں کردے کھیڑے بھیڑے
سوہنڑے کیتے سخت نکھیڑے تول ستی تھئی دار اساہاں

◆◆◆◆

ان دونوں بندوں میں بات کی جو علت بیان کی گئی ہے ، درحقیقت وہ اس بات کی علت نہیں اس لئے ان بندوں میں صنعت حسن تعلیل موجود ہے ۔

صنعت لف و نشر

شعر میں پہلے چند چیزوں کا ذکر کیا جاتا ہے جسے لف کرنا کہتے ہیں اور بعد میں ان چیزوں کی نسبت سے باتوں یا چیزوں کا ذکر کیا جاتا ہے جسے نشر کرنا کہتے ہیں ۔ یہی عمل شعر میں صنعت لف و نشر کی تخلیق کرتا ہے ۔

ہے قرب عجب ، ہے بعد عجب ہے وصل عجب ، ہے فصل عجب

اس شعر میں پہلے قرب اور بعد کا ذکر کیا گیا ہے اور دوسرے مصرعے میں وصل اور فصل کی بات کی گئی ہے ۔ قرب کا وصل اور بعد کا فصل سے تعلق ہے اس طرح اس شعر میں صنعت لف و نشر موجود ہے ۔

مقناطیس تے لوہے وانگڑ ہوں ڈو دل دی چھک ہے

اس شعر میں پہلے مقناطیس اور لوہے کا ذکر کیا گیا اور پھر ہوں یعنی اس اور پھر دل کا تذکرہ کیا گیا ہے " ہوں " کو مقناطیس اور دل کو لوہے سے نسبت دی گئی ہے ۔ اس لئے اس شعر میں صنعت لف و نشر وجود میں آگئی ہے ۔

صنعت ترصیع

آئے بھاگ سہاگ سدھائے بھاگے بھاگ ڈوہاگ سدھائے

♦♦♦♦

ڈکھڑیں ڈکھایا دردیں مونجھایا تانگھیں تپایا مونجھیں مسایا

♦♦♦♦

اوہام عجب ، ابہام عجب
اعلام عجب ، الہام عجب
ناسوت عجب ، ملکوت عجب
جبروت عجب ، لاہوت عجب

♦♦♦♦

ان اشعار میں پہلے مصرعے میں جتنے الفاظ ہیں ، دوسرے مصرعے میں ان کے

مقابل آنے والے سبھی الفاظ پہلے مصرعے کے الفاظ کے ہم وزن وہم قافیہ ہیں۔جب کسی شعر میں یہ عمل موجود ہو تو اسی کو صنعت ترصیع کہا جاتا ہے۔ کلام فرید میں اس صنعت کا وفور اپنے قاری کو یقینی طور پر نہ صرف حیران کرتا ہے بلکہ ترفع سے بھی ہمکنار کرتا ہے۔

صنعت تجاہل عارف

اج فال فراق ڈسیندی ہے

متاں یار کنوں نکھڑیندی ہے

شعر میں ایسی بات کرنا جس کی بابت ہر چند کہ علم ہو لیکن یہ ظاہر کرنا کہ علم نہیں تجاہل عارف کے ذیل میں آتا ہے۔دیئے گئے شعر میں بھی یہی صورت حال ہے۔ ہر چند شاعر کو مکمل طور پر معلوم ہے کہ جدائی کی گھڑی آن پہنچی ہے لیکن اس نے لفظ متاں جس کے معنی " شاید " ہیں کا استعمال کر کے علم کو لاعلمی ظاہر کیا ہے۔ اس طرح اس شعر میں صنعت تجاہل عارف موجود ہے۔

صنعت التزام

اس صنعت کو لزوم مالایلزم ، تضمین ، تشدید اور عنات بھی کہتے ہیں۔ اس صنعت میں شاعر کسی ایک یا چند امور کا اپنے اشعار میں التزام کرتا ہے۔اس صنعت کے بھی کئی انداز ہیں جن میں سے دو مثالوں کے ساتھ پیش کئے جارہے ہیں۔

عشوے ، غمزے ناز نہورے نخرے ٹخرے زورے تورے

خون کریندن ذرے وو ذرے

اس بند میں چند ایسی اداؤں کا التزام کیا گیا ہے جن کا محبوب سے تعلق ہے۔ اس لئے اس بند میں صنعت التزام وجود میں آگئی ہے۔

نین نرالے نیر نکھرے نور نظر دے

ساڑن سول سریر ، ساگی سوز سقردے

اس شعر میں فرید نے یہ التزام کیا ہے کہ مصرعہ اولیٰ میں شامل ہر لفظ حرف " نون " سے شروع ہوتا ہے جبکہ مصرعہ ثانی میں ہر لفظ " سین " سے شروع ہوتا ہے۔

اس لئے اس شعر میں صنعت التزام وجود میں آ گئی ہے ۔

صنعت واصل الشفتین

ایسا شعر یا مصرعہ جس میں شامل ہر لفظ کو بولتے ہوئے لب مل جائیں ، صنعت واصل الشفتین کا حامل گردانا جاتا ہے ۔

پیٹر اولڑی نیڑے گھلڑی
بل پل پور پرایا

ان دو مصرعوں میں دوسرا مصرعہ ایسا ہے کہ اس میں شامل ہر لفظ کو بولتے ہوئے لب آپس میں مل جاتے ہیں ، اس لئے یہ مصرعہ صنعت واصل الشفتیں کا حامل ہے ۔ ایک اور مثال دیکھئے ۔

سٹ کر بجڑ سدھایوں سوہنا
ملک ملھیر ملیومن موہٹا

چڑھ چڑھ چلکدے چیر ، جاری جرح جگر دے

فرید کے اس بند کے دوسرے مصرعے میں شامل سبھی الفاظ کو پڑھتے ہوئے کیونکہ لب آپس میں مل جاتے ہیں ، اس لئے اس مصرعے میں صنعت واصل الشفتیں وجود میں آ گئی ہے ۔

اس بند میں صنعت التزام بھی موجود ہے کیونکہ اس بند میں شاعر کی طرف سے یہ التزام کیا گیا ہے کہ بند کے پہلے مصرعے کے تقریباً سبھی الفاظ حرف سین اور دوسرے مصرعے کے سبھی الفاظ حرف میم سے شروع ہوتے ہیں ۔ تیسرے مصرعے کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے جس کے پہلے حصے کے سبھی الفاظ حرف " چ " اور دوسرے حصے کے سبھی الفاظ سوائے ردیف کے حرف " ج " سے شروع ہوتے ہیں اس طرح یہ بند صنعت مرکب کا حامل ہے ۔

صنعت واسع الشفتیں

ایسا شعر یا مصرعہ جسے پڑھتے ہوئے لب سے لب نہ ملے ، ایسے شعر یا مصرعے کو صنعت واسع الشفتین کا حامل کہا جاتا ہے ۔

فرید کے مندرجہ ذیل شعر میں یہ صنعت اس طرح وجود میں آئی ہے کہ اس شعر

میں شامل سبھی الفاظ کو بولتے ہوئے لب سے لب نہیں ملتا ۔ فرید کے کلام میں اس طرح کے بہت سے شعر یا مصرعے اپنے قاری کو اپنی جانب متوجہ کرتے ہیں ۔

کاں کوں کوں کر کر لوندا ہے
کوئی قاصد یار دا اوندا ہے

صنعت موصل

اس صنعت کو صنعت متصل الحروف بھی کہا جاتا ہے ۔ یہ صنعت اشعار میں اس وقت وجود میں آتی ہے جب کسی شعر یا مصرعے میں شامل سبھی الفاظ ایسے ہوں جن کے حروف کی تعداد مساوی ہو ۔ یہ الفاظ دو حرفی ، سہ حرفی ، چہار حرفی اور اس سے زیادہ حروف کا مجموعہ بھی ہو سکتے ہیں ۔ فرید کے کلام سے جو شعر مثال کے طور پر پیش کیا جا رہا ہے اس کے سبھی الفاظ دو حرفی ہیں یعنی ہک " ہ اور ک " سے مل کر بنا ہے لفظ ، ہے " ہ اور ے " سے مل کر بنا ہے اور اسی طرح باقی سب لفظ بھی دو دو حرفوں سے مل کر بنے ہیں ۔ اس طرح شعر میں صنعت موصل موجود ہے ۔

ہک ہے ، ہک ہے ، ہک ہے
ہک دی دم دم سک ہے

صنعت رقطا

جب شعر یا مصرعے میں الفاظ اس ترتیب سے آئیں کہ پہلا لفظ منقوط یعنی نقطوں والا دوسرا لفظ غیر منقوط یعنی بغیر نقطوں والا ، تیسرا لفظ نقطوں والا ، چوتھا لفظ بغیر نقطوں والا اور یہی ترتیب اختتام مصرعہ تک جاری رہے تو ایسے شعر یا مصرعے میں صنعت رقطا وجود میں آتی ہے ۔ ترتیب اس کے برعکس بھی ہو سکتی ہے یعنی پہلے بغیر نقطوں والا لفظ ہو ، اس کے بعد نقطوں والا اور یہی ترتیب شعر یا مصرعے کے اختتام تک جاری رہے تو بھی مذکورہ صنعت کا وجود ظہور میں آئے گا ۔ کلام فرید سے اس صنعت کی مثال

تسلیم کہوں ، تلوین کہوں تمکین کہوں ، عرفان کہوں

کیونکہ مندرجہ بالا شعر کا پہلا لفظ " تسلیم " نقطوں والا ، دوسرا لفظ " کہوں "

بغیر نقطوں والا ، تیسرا لفظ " تمویں " نقطوں والا ، چوتھا لفظ " کہوں " بغیر نقطوں والا ، پانچواں لفظ " تشکین " نقطوں والا ، چھٹا لفظ " کہوں " بغیر نقطوں والا ، ساتواں لفظ " عرفان " نقطوں والا اور آٹھواں لفظ " کہوں " بغیر نقطوں والا ہے اس لئے شعر میں صنعت رقطا وجود میں آگئی ہے ۔

صنعت تنسیق الصفات

جب اشعار میں متواتر اور مسلسل کسی کی صفات بیان کی جائیں تو ایسی صورت میں صنعت تنسیق الصفات وجود میں آتی ہے ۔ کلام فرید میں سے اس کی مثال

لیہ حسن حقیقی نور ازل
تینوں واجب تے امکان کہوں

تینوں خالق ذات قدیم کہوں — تینوں حادث خلق جہان کہوں
تینوں مطلق محض وجود کہوں — تینوں علمیہ اعیان کہوں
ارواح نفوس عقول کہوں — اشباح عیان نہان کہوں
تینوں عین حقیقت ماہیت — تینوں عرض صفت تے شان کہوں

فرید کی یہ کافی بہت طویل یعنی ۳۶ اشعار پر مشتمل ہے اور ان اشعار میں اس نے تواتر اور تسلسل کے ساتھ مندرجہ بالا انداز میں خدائے قدوس کی صفات نظریہ وحدت الوجود کے تحت بیان کی ہیں ۔ اس طرح اس کافی میں صنعت تنسیق الصفات وجود میں آئی ہے ۔

صنعت تضاد

اس صنعت کو طباق بھی کہتے ہیں۔ علاوہ ازیں اسے مطابقت سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے ۔ یہ صنعت کسی شعر میں اس وقت جلوہ گر ہوتی ہے کہ جب کسی شعر میں ایسے الفاظ استعمال ہوں جن کے معنی آپس میں ایک دوسرے کے فی الجملہ ضد یا مقابل ہوں ۔

تھئے واضح مشہود دقائق — تھئے لائح انوار حقائق
ظاہر کجھ سجھ کجھ دے لائق — قرب تے بعد دا فرق اٹھایا

کلام فرید کے اس بند کے چوتھے مصرعے میں دو لفظ قرب اور بعد استعمال ہوئے ہیں جن کے معنی آپس میں متضاد ہیں۔ اس لئے اس بند میں صنعت تضاد وجود میں آئی ہے ۔ایک اور مثال دیکھئے ۔

حسن قبح سب مظہر ذاتی
ہر رنگ میں بے رنگ پیارا

یا

ہک ہے ظاہر ہک ہے باطن
بیا سب کجھ ہالک ہے

ان اشعار میں سے پہلے شعر کے پہلے مصرعے میں حسن اور قبح اور دوسرے میں رنگ اور بے رنگ ایسے الفاظ ہیں جو مقابل کے معنی کے طور پر استعمال ہوئے ہیں ۔ اسی طرح دوسرے شعر میں ظاہر اور باطن بھی ایسے الفاظ ہیں جن میں یہی کیفیت پائی جاتی ہے ۔ اس لئے ان مثالوں میں صنعت تضاد پائی جاتی ہے ۔

صنعت مسمط

جب اشعار میں سوائے مطلع کے تین تین یا اس سے بھی زیادہ قوافی کا استعمال ہو تو ایسی صورت میں صنعت مسمط وجود میں آتی ہے ۔کلام فرید سے اس کی مثالیں ۔

روہی وٹھڑی ٹوبھا تار وے آمل توں سینگا یار وے
تھئے تھلڑے باغ بہار وے چودھار گل گلزار وے
کتھے چنکیں دے جھنکار وے کتھے مٹیاں دے گھمکار وے
بٹھ رات مینگھ ملہار وے وچ پکھیاں دے چہنکار وے
توں بن فرید خوار وے رت ہنجڑوں روون کار وے
ول جلدی موڑ مہار وے نہ تاں مر ویساں وار و وار وے

اور مثالیں دیکھئے ۔

مارو مشکل دل مکھڑا چھپایا
ڈکھڑیں ڈکھایا دردیں موںجھایا
تانگھیں تپایا موںجھیں مسایا سولیں ستایا نیڑے ہرایا

••••

بادل کالے پورب والے نالے باد شمالے
بارش نالے وقت سکھالے موسم روپ ڈکھالے
سوز اگالے پوون ابالے
یار نہیں ہے وڑھے

صنعت ارصاد

لفظ صاد کے معنے راستے میں نگہبان مقرر کرنے کے ہیں ۔ شعر میں جب کوئی ایسا لفظ استعمال میں آئے کہ اس سے شعر کے آخر تک پہنچنے سے پہلے ہی معلوم ہو جائے کہ اس شعر کا اختتام فلاں قافیے کے ساتھ ہو گا تو ایسے شعر کو صنعت ارصاد کا حامل شعر کہا جائے گا ۔ ذہین قاری کلام کو پڑھتے ہوئے یہ معلوم کر لیتا ہے کہ قافیے کا حرف روی کون سا ہے ۔ جب وہ شعر پڑھتا ہے تو ارصاد کی وجہ سے اس شعر کے قافیے کا مادہ معلوم ہو جاتا ہے ۔ اس صنعت کو تسہیم بھی کہتے ہیں ۔ لغت میں تسہیم کے معنی دھاری دار چادر بننے کے ہیں ۔ اس صنعت کو تسہیم اس لئے کہتے ہیں کہ جیسے دھاری دار چادر کے خطوط ایک دوسرے سے ایک خاص مناسبت رکھتے ہیں ، اسی طرح اس صنعت میں بھی لفظ ایک دوسرے کے ساتھ ملائم اور موافق ہوتے ہیں ۔ کلام فرید سے مثال

ساری ساڈی شرم بھرم دا تیڈے جگ وچ لاجا
عرب دی تیڈی ، عجم دی تیڈی سندھ پنجاب دا راجا
زمین زمن وچ وجدا گجدا فیض تیڈے دا واجا

مندرجہ بالا اشعار میں قافیے کا حرف روی ج یا چ ہے ۔ آخری شعر میں لفظ وجدا پڑھتے ہی ارصاد کی وجہ سے اس شعر کے قافیے کا مادہ پہلے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ

اس کا قافیہ واجا ہونا چاہیئے ۔ اسی کو صنعت ارصاد کہتے ہیں ۔

ڈکھ ڈھیر سکھ دا ہن ہے   رڑاں گھٹیاں بیڑاں بھوں
رت روںجھوں نیراں وہن   مک سیڑھ تے سیڑھیاں بھوں

دوسرے شعر میں سیڑھ کے آتے ہی ذہن میں قافیہ آ جاتا ہے اس لئے اس شعر میں بھی صنعت ارصاد وجود میں آگئی ہے ۔

صنعت ایہام

اس صنعت کو توریہ بھی کہتے ہیں ۔ ایہام کے معنی وہم میں ڈالنے اور توریہ کے معنی چھپانے کے ہیں ۔ شعر میں یہ صنعت اس وقت وجود میں آتی ہے جب شعر میں کوئی ایسا لفظ استعمال میں آئے کہ جس کے دو معنی ہوں یعنی ایک قریب کے اور دوسرے بعید کے ۔ جب شعر پڑھایا سنا جائے تو قاری یا سامع کا گمان قریب کے معنی کی طرف جائے لیکن شاعر کی مراد بعید کے معنی ہوں ۔ شعر میں بظاہر یوں محسوس ہو کہ قریب کے معنی مناسب ہیں لیکن شعر میں ایسا خفی قرینہ ہو کہ جو سوچ بچار کے بعد قاری یا سامع کو بعید کے معنی تک لے جائے ۔ یاد رہے کہ اگر قرینہ واضح ہو تو پھر توریہ نہ ہو گا کیونکہ قریب کے معنی بعید کے معنی کو چھپا نہ سکیں گے ۔

توں بن فرید خوار وے رت ہنجھوں رووݨ کار وے
ول جلدی موڑ مہار وے نہ تاں مر ویساں وار و وار وے

اس شعر میں وار و وار ایسے الفاظ ہیں کہ جن کے قریب کے معنی کچھ اور ہیں ۔ اگر شعر کی تفہیم کی جائے تو کچھ یوں ہے کہ فرید تیرے بغیر بہت خوار ہے اور اس کا خون کے آنسو ہی رونے کا کام ہے ۔ اے محبوب تو جلد واپس آ جا ورنہ وہ بار بار مرتا رہے گا۔ اس کی حالت ایسی ہے کہ وہ نہ تو زندوں میں ہے اور نہ ہی مردوں میں یعنی انتظار کی کیفیت ایسی ہے کہ وہ لحہ لحہ موت جیسی صورت حال سے دوچار ہے ۔

وار و وار کے معنی بار بار کے بھی اور بطن کے اندر اندر کے بھی ہیں۔ اب بعید

کے معنوں کو مردیساں کے قرینے پر غور کر کے جب ہم اسے تفہیم کے لئے استعمال کرتے ہیں تو اس شعر کی تشریح کچھ یوں ہو سکتی ہے کہ اے محبوب ! فرید تیرے بغیر دنیا میں خوار ہو رہا ہے اور ہر وقت خون کے آنسو بہاتا رہتا ہے ۔ تو جلدی سے لوٹ کر واپس آ جا ورنہ تیری جدائی میں وہ ایک ہفتے کے اندر ہی مر جائے گا ۔

اس طرح اس شعر میں صنعت ایہام موجود ہے ۔

صنعت تشابہ الاطراف

جب کوئی شعر ایسے الفاظ یا لفظ پر تمام ہو کہ اس کے معنی ان الفاظ یا لفظ سے مناسبت رکھتے ہوں جو شعر کے اولین حصے میں آیا ہو ، مثلاً آخری الفاظ یا لفظ ابتدائی الفاظ یا لفظ کا علت یا معلول یا پھر دلیل ہو یا پھر دونوں کے مابین کوئی مشابہت یا مناسبت ہو تو ایسی صورت میں صنعت تشابہ الاطراف وجود میں آتی ہے ۔ کلام فرید سے اس کی مثال

کنزیں ولدی روز ازل دی ، برہوں سٹائی بانگ

اس شعر میں پہلے لفظ کنزیں جس کے معنی " کان " کے ہیں ، آیا ہے اور شعر دو الفاظ سٹائی اور بانگ پر تمام ہوا ہے ۔ کیونکہ سٹائی اور بانگ کی کانوں سے خاص مناسبت ہے اس لئے اس شعر میں صنعت تشابہ الاطراف وجود میں آ گئی ہے ۔ کان اور سٹائی اور بانگ کے مابین پایا جانے والا بنیادی اور گہرا تعلق ہی اس صنعت کے وجود میں آنے کا باعث بنا ہے ۔

صنعت تلمیع

اس صنعت کو ذولسانین اور ذو لغتین بھی کہتے ہیں۔ جب کلام میں ایک سے زیادہ زبانوں کا استعمال کیا جائے تو یہ صنعت وجود میں آتی ہے ۔ کلام فرید میں اس صنعت کی کافی مثالیں موجود ہیں جن میں فرید نے ایک ہی کافی میں ایک سے زیادہ زبانوں کا استعمال کیا ہے ۔ کلام فرید کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ فرید کو کئی زبانوں پر عبور حاصل تھا ۔ مندرجہ کافی میں فرید نے ایک سے زیادہ زبانوں کا جس خوبی اور خوبصورتی سے استعمال کیا ہے اس سے ایک طرف تو اس کی ان زبانوں پر گرفت کا اظہار ہوتا ہے اور دوسری طرف

اس کافی میں صنعت تلمیح وجود میں آئی ہے۔

بن یار سانول پیا کو نہیں — ھذا جنون العاشقیں
بے او نہ آلست و نہ ایں — ھذا جنون العاشقیں

تھل برتتی رلدی ہے کیوں — سدھ واٹ توں بھلدی ہے کیوں
یار است ہمدم ہمنشیں — ھذا جنون العاشقیں

کیا نار کیا گلزار ہے — کیا یار کیا اغیار ہے
او را بداں او را بہ بیں — ھذا جنون العاشقیں

مذہب وجودی فرض ہے — بیوکل اجائی غرض ہے
دیدیم باچشم یقیں — ھذا جنون العاشقیں

ڈینھ ھجر دے مکلا گئے — ویلھے وصال دے آ گئے
جانم بجاناں شد قریں — ھذا جنون العاشقیں

نہیں قال بے شک حال ہے — پل پل اساڈے نال ہے
نازک مزاج نازنین — ھذا جنون العاشقیں

واہ عشق ڈاڈڑی ڈات ہے — گھئی رات سبھ پربھات ہے
شد فرش دل عرش بریں — ھذا جنون العاشقیں

خلقت کوں جیندی گول ہے — ہر دم فرید دے کول ہے
سوگند پیر فخر دیں — ھذا جنون العاشقیں

یہ پوری کافی چار چار مصرعوں پر مشتمل ہے جس کا پہلا بند باقی بندوں سے مختلف ہے یعنی اس کا پہلا مصرعہ سرائیکی ، دوسرا عربی ، تیسرا فارسی اور چوتھا پھر عربی میں کہا گیا ہے۔بعد کے سبھی بندوں میں پہلے دو مصرعے سرائیکی ، تیسرا مصرعہ فارسی اور

چوتھا مصرعہ عربی میں کہا گیا ہے ۔ اس طرح اس کافی میں صنعت تلمیع وجود میں آئی ہے ۔

صنعت مدور

جب کسی کلام میں کوئی مصرعہ یا شعر ایسا ہو کہ اس کو دائرے میں رکھ کر بالحاظ رکن چار یا آٹھ میں تقسیم کر کے پھر جس رکن سے چاہیں پڑھ لیں اور پڑھتے وقت بااعتبار تقدیم و تاخیر کے کئی مصرعے یا اشعار حاصل ہوں تو ایسی صورت میں صنعت مدور وجود میں آتی ہے ۔ کلام فرید سے مثال

مصرعہ : جندڑی جلڑی دلڑی گلڑی

مصرعہ : جو کوئی رکھسی ایہ گن چارے

اب دائرے میں موجود مصرعے سے با اعتبار تقدیم و تاخیر کئی مصرعے حاصل ہوتے ہیں ۔

جندڑی
جلڑی
دلڑی
گلڑی
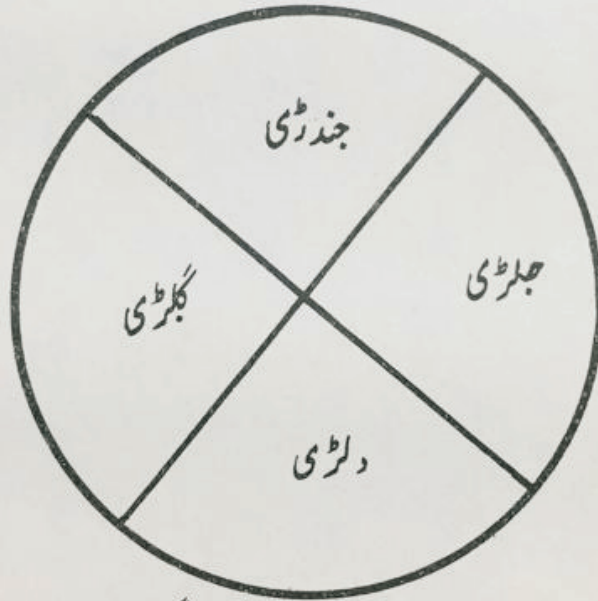
مثال نمبر ۱

۱۔ جندڑی جلڑی دلڑی گلڑی

۲۔ جلڑی دلڑی گلڑی جندڑی

۳۔ دلڑی گلڑی جندڑی جلڑی

۴۔ گلڑی جندڑی جلڑی دلڑی

اس دائرے میں موجود ہر رکن کو الٹا پڑھنے سے بھی کئی اشعار حاصل ہوتے ہیں ۔ اس طرح اس شعر میں صنعت مدور وجود میں آئی ہے ۔

صنعت مراعات النظیر

اس صنعت کو تناسب ، توفیق ، ایتلاف اور تلفیق بھی کہتے ہیں۔ کسی شعر میں ایسے الفاظ استعمال کرنا جن کے معنی آپس میں سوائے نسبت تضاد کے کچھ مناسبت رکھتے ہیں صنعت مراعات النظیر کہلاتی ہے ۔ فرید کے کلام سے مثالیں ۔

بوئی ، لانڑیں کھپ خوب پھلاری   کرڑ کنڈا سب بھوجدا ہے

ان مصرعوں میں روہی کے چند خود رو پودوں کا ذکر کیا گیا ہے ۔

گائیں ، بکریاں ، بھیڈاں چاگے ، چڑوے جوڑ قطاراں

یہاں بھی چند جانوروں کا ذکر کیا گیا ہے اس طرح مذکورہ بالا دونوں مثالوں میں صنعت مراعات النظیر موجود ہے ۔

لانجائنس ترفع کے لئے عظمت خیال ، شدت جذبات اور صنائع بدائع کے مناسب استعمال کے بعد ایک اعلیٰ و ارفع کلام میں جس چیز کی ضرورت پر زور دیتا ہے وہ شعری زبان یا اشعار میں الفاظ کے انتخاب کا معاملہ ہے ۔ اس سلسلے میں وہ معمولی اور غیر معمولی الفاظ کو یکساں اہمیت دیتا ہے اور انہیں ایک ہی نظر سے دیکھتا ہے ۔وہ کہتا ہے کہ الفاظ بذات خود کوئی چیز نہیں بلکہ یہ ان کا استعمال ہے جو انہیں مناسب اور غیر مناسب بناتا ہے ۔ اس کے نزدیک معمولی اور غیر معمولی دونوں قسم کے الفاظ کا نہایت موزوں استعمال اسلوب کو موثر اور کلام کو بلیغ بنانے کا وسیلہ بنتا ہے ۔ لانجائنس جہاں الفاظ کے حسن ، آہنگ اور موسیقی کے سحر کا قائل ہے وہاں وہ الفاظ کو معنی و خیال کا منبع بھی تصور کرتا ہے ۔ وہ سمجھتا ہے کہ خیال و معنی سے ہٹ کر الفاظ کی حیثیت متعین کرنا درست عمل نہیں ۔ وہ کلام میں حسن ، عظمت ، قوت اور نرمی کی موجودگی کو الفاظ ہی کے سحر کا نتیجہ قرار دیتے ہوئے کہتا ہے ۔

" اعلیٰ و ارفع خیال میں الفاظ روشنی کا کام دیتے ہیں "

وہ کہتا ہے کہ لفظ خواہ کتنا ہی غیر معمولی کیوں نہ ہو ، اس کا نا مناسب استعمال اسے معمولی ، پھسپھسا اور بوجھل بنا دیتا ہے اور اس کے برعکس لفظ خواہ کتنا ہی معمولی کیوں نہ ہو ، اس کا مناسب استعمال اثر دکھائے بغیر نہیں رہ سکتا ۔ اس کے نزدیک کسی عامیانہ تفصیل کے لئے پر شکوہ اور سنجیدہ الفاظ کا استعمال ایسے ہی ہے جیسے کسی المیے کے لئے کسی بچے پر المیہ کردار کا مصنوعی چہرہ لگا دیا جائے ۔ اسی طرح عامیانہ الفاظ کا موقع محل کی مناسبت سے استعمال انہیں ان موثر ترین الفاظ کی صف میں لاکھڑا کرتا ہے جو بناوٹ اور تصنع سے عاری ہوتے ہیں ۔ وہ الفاظ کے استعمال کے اس انداز کو بے حد پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے جس سے حقیقت کی رونمائی اور فطرت کی عکاسی ہوتی ہے ۔ وہ الفاظ کے غیر مانوس انداز میں استعمال کی نفی کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اس طرح کا استعمال کلام کو نہ صرف بوجھل ، بے لذت اور غیر فطری بناتا ہے بلکہ وہ اسے ناقابل یقین بھی کر دیتا ہے ۔ لانجائنس شعری زبان میں استعارے ، رمز ، کنائے اور مبالغے کی بھی کہیں نفی نہیں کرتا ۔ وہ کہتا ہے کہ استعارے اور تشبیہ کا استعمال اگر موقع محل کی مناسبت سے اور موثر انداز میں کیا جائے تو یہ کلام کو موثر اور وقیع بنانے کا آلہ ثابت ہوتے ہیں لیکن ان کا بے محل استعمال کلام کو غیر فطری اور بے وقار بنا دیتا ہے ۔ وہ کلام میں استعاروں کی تعداد پر بھی کوئی قید نہیں لگاتا بلکہ تقاضا کرتا ہے کہ کلام میں استعارے اس طرح استعمال کئے جائیں کہ کلام کی وجدانی کیفیت کسی بھی طرح مجروح نہ ہو ۔ اگر استعاروں کے استعمال کے بعد بھی کلام کی وجدانی کیفیت قائم ہے تو قاری کلام میں استعاروں کی تعداد کو کبھی نہیں گنتا ۔ اسی طرح وہ کلام میں مبالغے پر بھی کوئی پابندی عائد نہیں کرتا ۔ اس سلسلے میں وہ کہتا ہے کہ بہتر مبالغہ وہ ہے جس کے بارے میں یہ گمان نہ ہو سکے کہ وہ مبالغہ ہے ۔ یہ بات اسی وقت ممکن ہے کہ جب وہ شدید احساسات کے اظہار کے دوران پیدا ہو اور موقع محل کی عظمت سے ہم آہنگ ہو ۔

لانجائنس کی بتائی گئی شعری زبان اور الفاظ کے استعمال کے بارے میں اس کے خیالات کا جائزہ لینے کے بعد اب ہم کلام فرید کا جائزہ لیتے ہیں کہ وہ شعری زبان اور الفاظ کے استعمال کے بارے میں لانجائنس کے بتائے ہوئے اصولوں کی کس حد تک پاسداری

اور پابندی کرتا ہے ۔

جب ہم فرید کے کلام کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں ہر قدم پر معمولی اور غیر معمولی الفاظ کا ایک ایسا امتزاج نظر آتا ہے جس میں معمولی الفاظ اس شان سے استعمال ہوئے ہیں کہ اگر ان کی جگہ غیر معمولی الفاظ کا استعمال کیا جاتا تو کلام میں یقیناً وہ شان اور لذت پیدا نہ ہوتی جو موجودہ صورت حال میں نظر آتی ہے اور جہاں غیر معمولی الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے وہاں یہ محسوس ہوتا ہے کہ اگر یہاں کوئی دوسرا لفظ استعمال کیا جاتا تو کلام پھسپھسا اور غیر موثر ہو کر رہ جاتا ۔ اس طرح فرید کا پورا کلام ایک لحاظ سے غیر معمولی الفاظ ہی کا حامل ہو گیا ہے کیونکہ اس میں استعمال ہونے والے سبھی الفاظ نہایت مناسب اور موزوں ترین انداز میں استعمال ہوئے ہیں ۔

فرید نے جس شعری زبان کا انتخاب کیا ہے وہ اسی کا حصہ ہے ۔ اس نے اپنے ہر مصرعے میں الفاظ کا اس فنی مہارت اور چابکدستی سے استعمال کیا ہے کہ ہر لفظ اپنی جگہ ایک نگینے کی حیثیت رکھتا ہے ۔ جہاں الفاظ کے استعمال سے موسیقی اور آہنگ کی ضرورت کو خوبصورتی سے پورا کیا گیا ہے وہاں فکر ، خیال اور معنی کی وسعت کو بھی ہر لحظہ پیش نظر رکھا گیا ہے ۔ فرید کے کلام کے مطالعے کے بعد یہ بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ فرید کی سی شعری زبان ہمیں کہیں کہیں نظر تو آتی ہے لیکن کسی بھی شاعر نے اس معیار کی زبان کو تسلسل اور تواتر کے ساتھ استعمال نہیں کیا ۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ فرید نے اپنے کلام کے لئے جن الفاظ کا انتخاب کیا ہے وہ سادگی ، پرکاری ، وقار اور معیار کا بے مثال نمونہ ہیں ۔

فرید کا پورا کلام امتیازی اسلوب اور وجدانی کیفیات میں ڈوبا ہوا ایک ایسا مرقع ہے جس کا ہر لفظ مترنم اور ہر مصرعہ اپنے اندر خیال و معنی کی لطیف وسعت سمیٹے ہوئے محسوس ہوتا ہے ۔ اس کی شعری زبان میں الفاظ کا وہ رت جگا دیکھنے کو ملتا ہے جس سے قلب و نظر کو احساس تازگی نصیب ہوتا ہے ۔ کلام میں عظمت ، حسن ، قوت اور نرمی کی جو لطافت موجود ہے وہ یقیناً الفاظ ہی کی ساحری کا رد عمل ہے ۔ فرید کا کلام فصاحت و بلاغت کے ساتھ ساتھ آہنگ و موسیقی کی وہ پھلجھڑی ہے جس میں الفاظ خیال و معنی کو جلا دیتے

ہوئے دکھائی دیتے اور اپنے رنگوں کو ہر جانب بکھیرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری نے کہا تھا کہ برصغیر میں صرف دو الہامی کتابیں ہیں یعنی مقدس وید اور دیوان غالب ، لیکن یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ اگر ڈاکٹر بجنوری دیوان فرید کا مطالعہ کر سکتے تو انہیں یقیناً مذکورہ کتابوں کے ساتھ اس کا بھی ذکر کرنا پڑتا ۔ دیوان فرید کے ہر ورق پر فطرت کو فن اور فن کو فطرت کے جس قالب میں ڈھالا گیا ہے یہ صرف فرید ہی کا کام ہے ۔ فرید کے یہاں خیال ، معنی اور الفاظ ایک دوسرے کی نمائندگی کرتے ہوئے ملتے ہیں ۔ الفاظ خیال و معنی کے لئے روشنی اور خیال و معنی الفاظ کے لئے عظمت کا نشان بن گئے ہیں ۔ الفاظ کا اس قدر مناسب استعمال کیا گیا ہے کہ کلام نہ تو کہیں بوجھل معلوم ہوتا ہے اور نہ ہی کسی مصرعے میں لطافت کی کمی نظر آتی ہے ۔ اس کے مطالعے کے بعد کوئی بھی ماہر فن اس کے کسی لفظ پر انگلی رکھ کر یہ نہیں کہہ سکتا کہ اگر اس لفظ کی جگہ فلاں لفظ ہوتا تو اس سے زیادہ موثر ہوتا جبکہ اس کے برعکس کسی بھی شاعر کے کلام میں بیسیوں ایسے الفاظ کی نشاندہی کی جا سکتی ہے جن کے متبادل استعمال شدہ الفاظ سے زیادہ موثر اور وقیع ثابت ہو سکتے ہیں ۔

فرید نے اپنے کلام میں استعاروں اور تشبیہات وغیرہ کا بھی استعمال کیا ہے لیکن ان کا استعمال اس انداز میں ہوا ہے کہ یہ استعمال احساس کی شدت میں اضافے اور جذبات و خیالات میں ندرت پیدا کرنے کا وسیلہ نظر آتا ہے ۔ فرید کے کلام میں قاری کو عظمت خیال ، شدت جذبات اور فکر و معنی کا ایک ایسا تسلسل ملتا ہے جو اسے وجدان کی انتہائی پاکیزہ بلندی سے ہم کنار کرتا ہے ۔ فرید کی شاعری میں الفاظ ان چراغوں کی حیثیت رکھتے ہیں جو گم گشتہ راہ کے مسافروں کو منزل کا پتا بتاتے ہیں ۔ تلذذ اور بالیدگی ، عظمت اور حسن ، قوت اور نرمی کا امتزاج فرید کے اس کلام میں بھی دیکھا جا سکتا ہے ۔

سٹ کر ججن سدھایوں سوہنا   ملک ملھیر ملیومن موہنا
چڑھ چڑھ چکدے چیر ، جاری جرح جگر دے
سانگ سجی نوں سک سانول دی   موجھ مٹھی نوں موجھ مٹھل دی
بار بئی ہن ہیر ، بس گئے ہوش ہنر دے

●●●●

جیویں رول گلڑی وچ کن کپڑے
رووے ڈتونی بچھلی عمر دے

مٹھ لادی جندڑی ڈکھڑیں دی پنڈ دھری — دردیں دی پدھری سوزیں دی رودھری
ہک توں تی دی ول گل نہ لدھری — ہے سول صدے چوتھے پہر دے

◆◆◆◆

کیا ڈکھڑا مینھ لیوے
ڈکھ ہانجھ پلے نہ ہیوے
نہ غمخوار نہ کوئی ساتھی نہ کوئی حال ونڈاوے
عشق جیہاں ڈکھ ہور نہ کوئی ماء پیو ویری تھیوے
گلیاں کوچے شہر بازاراں لوک مرندا کانے
ٹنڈھڑے وہڑے ڈیون طعنے شرم شعور وہنجیوے
گجھ نہیں اجکل دی سجڑی روز ازل دی مسطری
بے نشان جتن دے کیتے نام نشان گنوایوے

◆◆◆◆

ساڈی دل پھیرڑے
جیویں کھس نیتی کیوں چا قلو کیتی !
توٹے گلڑی ہو ہو پھکڑی — دلڑی ٹکڑی دردیں پکڑی
توڑ بچا جو نیتی !
ناہیں طرز مساب تھک تھک — بے سرڈیسیں بے پک بے شک
برہوں دی بازی جیتی !

◆◆◆◆

بدلے پورب ماڑ ڈکھن دے — کھلے بھورے سو سو ون دے
چارے طرفوں زور پون دے — سارے جوڑ وساون دے
مدمستانی تے خوش ونڑے — سالھوں سوہے کیسر بھنڑے

سبھوں مینھ برساتوں سنڑے جھڑ بجے لانگھے لانونڑ دے

••••

ہن ہستی دے نیرنگ عجب ہن حسن ازل دے ڈھنگ عجب
بیرنگ بہر ہر رنگ عجب سبحان اللہ سبحان اللہ

••••

چڑا ماس لوراں کپڑے لیر کتیراں
برہوں ڈتوسے پرسائیں
صبر فرید نہ آوے گھر کھاوے تے جھرتاوے
دلڑی کیتم لرسائیں

••••

شرم شعور اساں توں رُٹھڑے تنگ نموز دے ساگھے ترٹڑے
گھولے صدقے کیتے مٹھڑے آسرے بھیم بھرم دے یار
یار فرید ملم گھر اندر پانواں بھاگ سہاگوں زیور
کھاؤں سبھوں بولے بینسر لچکے گل سرسدے یار

••••

بھاون مول نہ باجھ سجنڑ دے کپڑے نازک وٹو ون دے
زیور آلو آل

••••

جڑ جڑ لگی آساونڑی مد مست مینھ وساونڑی
موسم ساگ ساونڑی میں سر ڈہاگ دا بار وے
آیاں رتاں منڑ بھاونڑیاں لالیاں لون تے کاونڑیاں
دل بنگھ چارے چانونڑیاں ول رس وسوں ہک وار وے

••••

ہک دے ہر ہر جاہ وچ وے   کیا لچ ہے کیا جھک ہے
مقناطیس تے لوہے وانگن   ہوں ڈو دل دی چھک ہے

♦♦♦♦

لانجائنس اعلیٰ و ارفع شاعری کے لئے دیگر خصوصیات بیان کرنے کے بعد سب سے آخر میں شاعری میں ترتیب الفاظ کی طرف آتا ہے۔ لانجائنس کے نزدیک یہ خصوصیت ادب کے فنی عناصر کے ذیل میں آتی ہے جس کے بغیر ادب کسی بھی طرح امتیازی اسلوب اور ترفع کا حامل نہیں ہو سکتا۔ وہ کہتا ہے کہ کسی بھی کلام میں ہم آہنگی اور نغمگی موجود نہ ہو تو وہ کلام کیونکر ترفع بخش ہو سکتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ ترتیب الفاظ نہ صرف قاری کے لئے ترغیب و مسرت کا وسیلہ بنتی ہے بلکہ بہترین ترتیب الفاظ اس کے احسن جذبات کو بیدار کرنے کا بھی ذریعہ بنتی ہے۔ اسی طرح بہترین ترتیب الفاظ کانوں پر لطیف تاثر چھوڑنے کے ساتھ ساتھ روح میں خوابیدہ احساسات و جذبات کو مسرت بخش انداز میں بیدار کرنے کا بھی باعث ہوتی ہے۔اس کے نزدیک ترتیب الفاظ کلام کی وہ اہم خصوصیت ہے جو شاعر اور قاری کو آپس میں ہم آہنگ کرنے کا ذریعہ بنتی ہے اور بعض اوقات تو موثر ترتیب کلام میں دیگر فطری اور فنی خصوصیات کی عدم موجودگی کے باوجود کلام کو پر شوکت اور پر عظمت بنا دیتی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ غیر موثر ترتیب الفاظ کلام کی عظمت، اس کی نغمگی اور ہم آہنگی کو کمتر کر دیتی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ لانجائنس بہت زیادہ آہنگ کے حامل کلام کو بھی شوکت سے عاری قرار دیتے ہوئے دکھائی دیتا ہے۔ وہ کلام میں ہم آہنگی کے سلسلے میں اعتدال کو بہترین حکمت عملی قرار دیتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ کلام میں بہت زیادہ آہنگ اسے جذبے سے عاری، معمولی اور غیر موثر بنانے کے ساتھ ساتھ یکسانیت کا شکار کر دیتا ہے جس کے نتیجے میں وہ عامیانہ سطح پر آ ٹھہرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ زیادہ پر آہنگ کلام قاری یا سامع تک الفاظ کے معانی پہنچانے کی بجائے آہنگ اور نغمگی کے اثرات پہنچاتا ہے جس سے کلام کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے۔

لانجائنس اسلوب کی رفعت و عظمت کے لئے عامیانہ الفاظ کو سم قاتل قرار دیتے

ہوئے کہتا ہے کہ کلام میں عامیانہ الفاظ کا استعمال کلام کو واقعتاً پست اور عامیانہ بنا دیتا ہے اور ترفع میں کمی کا بنیادی سبب بھی الفاظ کا یہی غیر متناسب استعمال ہے ۔ اسی طرح کلام میں کم حیثیت اصطلاحوں کا استعمال بھی کلام کو غیر موثر اور غیر ترفع بخش بنا دیتا ہے لیکن وہ محدود صورتوں میں ایسی اصطلاحوں کے استعمال کی اجازت بھی دیتا ہے۔جہاں ان کے استعمال کے بغیر کوئی چارہ نہ رہے ۔ آخر میں وہ ترتیب الفاظ کے بارے میں مشورہ دیتا ہے کہ اس کے لئے فطرت کے اس اصول کو پیش نظر رکھا جائے جو اس نے انسانی تخلیق کے لئے پیش نظر رکھا یعنی انسان کے خوبصورت اعضاء کو سامنے رکھتے ہوئے ان کے پردے میں بدصورت اعضاء کو چھپا دیا ۔

لانجائنس الفاظ کے استعمال کو اس انداز میں دیکھنا چاہتا ہے کہ جس سے کلام میں ہم آہنگی ، نغمگی ، شوکت اور عظمت کسی بھی طرح مجروح نہ ہو ۔ وہ چاہتا ہے کہ سامع یا قاری ایک ایسے ترفع سے ہمکنار و سرشار ہو جو اسے شاعر کے خیالات و جذبات سے ہم آہنگ کرنے کا وسیلہ بنے ۔

لانجائنس کے ترتیب الفاظ کے بارے میں نظریات و خیالات کو دیکھتے ہوئے اور اس کے اس بارے میں معیارات کی روشنی میں جب ہم کلام فرید کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں اس میں ازاول تا آخر تلاش بسیار کے باوجود ایسی کوئی لفظی ترتیب نظر نہیں آتی جو لانجائنس کے مذکورہ معیارات پر کسی بھی طرح پوری نہ اترتی ہو ۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے الفاظ کا ٹھاٹھیں مارتا ہوا ایک سمندر فرید کے سامنے ہے اور مکمل طور پر اس کی دسترس میں ہے جس میں سے وہ اپنی پسند کے ایسے اعلیٰ و ارفع اور موزوں ترین الفاظ کا مہارت اور چابکدستی سے انتخاب کرتا جاتا ہے جن میں غیر موثر ، غیر موزوں اور عامیانہ الفاظ کی کہیں گنجائش نہیں۔ اس کا کلام ہم آہنگی اور نغمگی کا حامل ایک ایسا شاہکار ہے جس کے مطالعے سے قاری کی روح میں خوابیدہ و لطیف جذبات ایک ایسے ترفع بخش طریقے سے بیدار ہونے لگتے ہیں جس کا لانجائنس متمنی ہے ۔ فرید کا کلام ایک ایسی قوس قزح کی مانند ہے جس میں ہر رنگ اپنی جگہ پر نہایت معقول اور مناسب انداز میں موجود ہوتا ہے اور جسے دیکھ کر ایک تلذذ اور مسرت کا احساس اجاگر ہونے لگتا ہے ۔ اسی طرح

فرید کے کلام میں تنوع قاری کو کہیں بھی یکسانیت کا شکار نہیں ہونے دیتا بلکہ اس کے مطالعے سے روح کو بالیدگی اور احساس و جذبات کو تازگی نصیب ہوتی ہے ۔ فرید نے اپنے کلام میں ترتیب الفاظ میں اعتدال کی حکمت عملی کو پیش نظر رکھا ہے ۔ اس کے کلام میں الفاظ کا حسب حال استعمال کلام کو جہاں پر معنی و پر خیال بنا دیتا ہے وہاں اس کی رفعت ، شوکت اور عظمت کا باعث بھی بنتا ہے ۔ فرید نے اپنی شاعری میں جا بجا اصطلاحوں کا بھی استعمال کیا ہے لیکن اس کے پورے دیوان میں ہمیں ایک بھی ایسی اصطلاح نہیں ملتی جس کا استعمال کسی بھی طرح غیر موثر یا غیر مناسب ہو ۔ الفاظ کے استعمال میں فرید نے جس ماہرانہ اور فنکارانہ صلاحیت کا ثبوت دیا ہے اس نے فطرت اور فن کو یکجا کر کے کلام کو رنگ و نور کا ایک ایسا دریا بنا دیا ہے جس میں اتر کر قاری ترفع اور احساس پاکیزگی کی اعلیٰ ترین سطح سے ہمکنار ہو جاتا ہے ۔ حقیقت تو یہ ہے کہ فرید وہ تلمیذ الرحمن شاعر ہے جس کی صریر خامہ بقول غالب نوائے سروش ہے ۔ اس طرح فرید کا نام ایک ایسے شاعر کے طور پر اعتماد کے ساتھ لیا جا سکتا ہے جس کا کلام فطرت و فن کا ایک ایسا حسین مرقع ہے جس پر نقاد کسی بھی طرح کوئی ایسی رائے ظاہر نہیں کر سکتا جس سے کلام میں کسی کمی ، کوتاہی یا کمتری کا اظہار ہو ۔ یوں تو فرید کا پورا کلام موثر ترین اور نہایت مناسب و موزوں ترتیب الفاظ کی خوبصورت تصویر ہے لیکن ہم یہاں چند بند پیش کرتے ہیں جن کے مطالعے سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ فرید ترتیب الفاظ میں کس قدر محتاط ہے ۔ علاوہ ازیں اس کے کلام میں نغمگی اور ہم آہنگی اس کے قاری یا سامع کے لئے کس حد تک مسرت و ترغیب کا باعث اور روح و احساسات کے لئے ترفع بخش ہے ۔

ہن ڈٹھ دل بدلایم سر سائیں
گیا دردوں جیڑا جھر سائیں
درد دے کنڈڑے سینے گڈڑے ہن ویہنے
پئے نکلن بھر بھر سائیں
چھڑا ماس لوہراں کپڑے لیر کتیراں
برہوں ڈتوسے پر سائیں'

****

ہن ڈٹھ عشق ونجایم چس سائیں
لکھ وار اساہی بس سائیں

رات ڈینہاں تڑپھاواں   اتے رو رو حال ونجاواں
رحم نہ کیتو خس سائیں

درد اندوہ گھنیرے   کردے سول وہیرے
نس بھگیوں دل کھس سائیں

●●●●

جان جگر تن پارے پارے   سینے مخض لویراں
لوں لوں رگ رگ وچ سویڑاں   ہجر برات ڈھیرے
ہنجڑوں ہاراں واٹ نہاراں   بیٹھی کاگ اوڈاراں
جان جگر وچ جیندا ڈیرا   تنہا چھوڑ گیوسے
سڑ بھیم جل بھیم مر بھیم بگل بھیم   یار فرید نہ آیا
سکدیں تپدیں مردیں کھپدیں   نازک نینھ نبھیوسے

●●●●

منٹھڑی دلڑی ڈکھڑیں کٹھڑی
بے ناز ادا دی لٹڑی

ہن زخم جگر دے گلے   دل پڑزے اکھیاں نالے
ہے سینے پوون اپالے   جند ہار ہٹی میں مٹھڑی
تتے درد اندوہ اوڑے   لائے دلڑی جھوکاں ڈیرے
ہن حسرت عشق نوڑے   ہتی پیڑ پرائی پٹھڑی

●●●●

ڈکھڑے روز سوائے   جیں ڈینھ چین سدھائے
شر بھنبھوروں ٹر سائیں

●●●●

رانجھن جوگی میرا بیتا   دل نوں جس نے جادو کیتا

عشق تسیں دا لوں لوں سیتا رگ رگ مول نہ واندی ہے

♦♦♦♦

ڈکھے پینڈے تھل دے پور پوان پل پل دے
دردیں دی ہتھ رس سائیں

♦♦♦♦

دل برمائے راول جوگی دھن سن بنسی پھوک بجا کے
روہ جبل وچ مارو تھل وچ مارو گیا پردیس رلا کے

♦♦♦♦

موتھ سرخاک سنگار اساڈے ہنجروں ہارن ہار اساڈے
ہوت ہے کیچ تے کیچ ہے دور

♦♦♦♦

یہ شعر دیکھئے

نین نرالے نیر نکھرے نور نظر دے
ساڑن سول سریر ، ساگی سوز سقر دے

پہلے مصرعے کے سبھی الفاظ سوائے ردیف کے حرف " نون " سے شروع ہوتے ہیں جبکہ دوسرے مصرعے کے سبھی الفاظ حرف " سین " سے شروع ہوتے ہیں۔

سانگ سنجی نوں سک ساتول دی موتجھ مٹھی کوں موتجھ متھل دی
ہار ہتی ہٹ ہیر ، ہس گئے ہوش ہنر دے

اس بند میں پہلے مصرعے کے تقریباً سبھی الفاظ حرف " سین " دوسرے مصرعے کے تقریباً سبھی الفاظ حرف " میم " اور تیسرے مصرعے کے تقریباً سبھی الفاظ حرف " ہ " سے شروع ہوتے ہیں۔ الفاظ کی یہ ترتیب شعری حسن کو جس طرح نکھار رہی ہے اس سے کلام یقینی طور پر ترنم بخش ہو گیا ہے۔

لانجائنس نے اعلیٰ و ارفع ادب کے لئے جس اصول ترفع کو وضع کیا ، ہر چند وہ اس کی صدیوں پہلے کی فکر اور زندگی بھر کے مطالعے اور تحقیق کا نتیجہ ہے لیکن آج بھی

جب ہم ادب کا تنقیدی نقطہ نظر سے جائزہ لینا چاہتے ہیں تو اس کے بتائے ہوئے اس اصول ، اس کی مشمولات اور لوازم کو پیش نظر رکھے بغیر ہم اپنے مقصد کے حصول میں ناکام رہتے ہیں ۔ لانجائنس کے اصول ترفع کو ادب میں یقیناً وہ مقام حاصل ہے جو کسی عمارت میں اساس کو حاصل ہوتا ہے ۔ وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ فرید نے لانجائنس اور دیگر عظیم مغربی ناقدین کا مطالعہ نہیں کیا لیکن اس میں کلام نہیں کہ وہ عظیم ادب اور اعلیٰ و ارفع شاعری کے لئے ان کے بتائے گئے معیارات اور اشارات پر مکمل طور پر پورا اترتا ہے ۔ اصول ترفع کی اس قدر پاسداری اور پابندی شاید اس کے تلمیذ الرحمٰن ہونے اور مختلف علوم کے گہرے مطالعے کا نتیجہ ہو لیکن اس سے قطع نظر یہ بات وثوق اور اعتماد سے کہی جا سکتی ہے کہ فرید لانجائنس کے بتائے گئے اصول ترفع کے نہ صرف تقاضے پورے کرتا ہے بلکہ اس قدر جامع ، اعلیٰ و ارفع اور خیال و جمال سے بھرپور کلام سے وہ لانجائنس کے مذکورہ اصول کی صداقت کے ثبوت بھی مہیا کرتا ہے ۔

♦♦♦♦

فرید اور دانتے

دانتے قرونِ وسطیٰ کی بے جان اور گھٹی ہوئی فضا میں شاعری کی نشاۃ ثانیہ کا پیش رو وہ شاعر ہے جس کا وجود قرونِ وسطیٰ کے بارے میں ہمارے اپنے نظریات و خیالات میں ترمیم کا باعث بنتا ہے۔ دانتے نے شاعری میں اپنے لئے اس دور میں الگ راہوں کا تعین کیا جب ادب میں لاطینی زبان اور کلیسا کی روایات سے ہٹ کر کسی فن پارے کی تخلیق اول تو ناممکن اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور نظر آتی تھی۔ اس نے نہ صرف ادب کی سابقہ روایات سے ہٹ کر اپنے لئے ایک نئی سمت کا انتخاب کیا بلکہ لاطینی زبان کے سحر کو توڑ کر اپنے لئے ایک ایسی زبان کو وسیلہ اظہار بنایا جو دنیا کے نزدیک غیر ترقی یافتہ ہونے کے علاوہ علاقائی طور پر بھی تضادات کا شکار تھی۔ اطالوی زبان کا یہ شاعر جہاں اعلیٰ و ارفع ادب کو زبان کی قید سے نجات دلانے کا ذریعہ بنا وہاں اس نے اس کے لئے کچھ ایسے نظریات و معیارات بھی وضع کئے جن سے صرف نظر ممکن نہیں۔ اس کی تصنیف "Divine Comedy" کو بجا طور پر دنیا کی ایک اہم کتاب سمجھا جاتا ہے۔

ورجل (Virgil) کی راہنمائی اور ادب کے مطالعے کی روشنی میں پروان چڑھنے والا یہ شاعر شاہراہِ ادب پر برسوں کے سفر کے بعد اس حقیقت کو پہنچا کہ موثر، قوی اور توانا اظہار کے لئے ترقی یافتہ زبان ہی لازمی نہیں بلکہ اپنی مادری زبان میں کسی بھی ترقی یافتہ زبان کے مقابلے میں زیادہ قوت اور توانائی موجود ہوتی ہے۔ دانتے کا یہ کارنامہ یقینی طور پر لائق بیان ہے کہ اس نے لاطینی زبان کے مقابلے میں اطالوی جیسی غیر ترقی یافتہ زبان کو وسیلہ اظہار بنایا اور پھر ادب میں دنیا بھر سے اپنا لوہا منواتے ہوئے یہ بات ثابت کر دکھائی کہ اعلیٰ و ارفع ادب کسی بھی زبان میں تخلیق ہو سکتا ہے۔

دانتے شاعری اور شعری زبان کے بارے میں اپنا نقطہ نظر بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ شاعری اور اس کے لئے موزوں زبان کا انتخاب ایک طویل اور دردناک مشقت کا معاملہ ہے۔ وہ اعلیٰ و ارفع ادب اور خاص طور پر شعری زبان کے بارے میں ہمیں چند

معیارات اور اشارات دیتے ہوئے کہتا ہے ۔

(الف) شاعری کے لئے وہی زبان موزوں ہے جس میں روزمرہ اور عامیانہ زبان سے گریز موجود ہو ۔

(ب) سنجیدہ اور اعلیٰ ادب کے لئے موضوع ، مواد اور فکر سب سے زیادہ اہم ہیں ۔

(ج) موضوع کو زبان پر فوقیت حاصل ہے ۔ زبان کی اہمیت اس مقصد کے مطابق متعین ہوتی ہے جس کے لئے وہ زبان استعمال کی جا رہی ہے یعنی بہترین مقصد اور موضوع کے لئے بہترین زبان لازمی ہے ۔ اس کے برعکس اگر موضوع بہترین نہیں مگر اس کے اظہار کے لئے بہترین زبان کا استعمال کیا جا رہا ہے تو وہ محض طبع کاری اور شعبدہ بازی تو ہو سکتی ہے ، اس سے اعلیٰ و ارفع ادب کی تخلیق نہیں ہو سکتی ۔

(د) شاعری میں ایسے الفاظ سے گریز کرنا چاہیئے جو اپنے اندر بچپنے ، نسوانیت ، بودے اور بے جان ہونے کی خصوصیت رکھتے ہوں ۔

(س) بہترین اسلوب مرصع کاری اور اعلیٰ قسم کی انشاپردازی سے پیدا ہوتا ہے جس کا نتیجہ ایک ایسے ارتفاع کی شکل میں سامنے آتا ہے جو صرف صاحب طرز شاعروں کے کلام کی خصوصیت ہوتا ہے ۔

دانتے بنیادی طور پر شاعری اور اس کی زبان کو اپنے نقطہ نظر کا مرکز و محور بناتا ہے ۔ وہ چاہتا ہے کہ شاعر اپنی شاعری میں جہاں دیگر لوازمات کا پورا خیال رکھے ، وہاں اسے زبان پر بھی پوری توجہ مرکوز کرنی چاہیئے ۔ وہ موضوع ، مواد اور فکر کا سرسری ذکر کرتا ہے لیکن شاعری کے دوسرے لوازمات کی طرف کوئی اشارہ نہیں کرتا ۔ زبان کے بارے میں اس نے جو جو باتیں کیں ، انہیں آنے والے وقتوں میں بہت اہمیت ملی ۔ وہ اعلیٰ و ارفع ادب اور خاص طور پر شاعری میں غیر معمولی زبان کے استعمال کا تقاضا کرتا ہے ۔ وہ الفاظ کے استعمال کی بھی بات کرتا ہے ۔ وہ چاہتا ہے کہ شاعر اپنی شاعری میں صرف وہی الفاظ

استعمال کرے جو موضوع ، مواد اور فکر کی شان و شوکت میں اضافے کا باعث بنیں ۔ اس کے نزدیک الفاظ دراصل زبان میں بنیادی اکائی کا درجہ رکھتے ہیں ۔ جب تک اکائی باوقار نہیں ہو گی تو ان کا مجموعہ کیونکر باوقار اور شان و شوکت کا حامل ہو سکتا ہے ۔ وہ الفاظ کے احسن انداز میں استعمال کی اہمیت سے باخبر ہے ۔ اس کا خیال ہے کہ اکثر اوقات لفظ کا استعمال ہی اس کی اہمیت میں کمی یا اضافے کا باعث بنتا ہے اس لئے شاعر کو اس سلسلے میں انتہائی دانشمندی اور ہنرمندی سے کام لینا چاہیئے ۔

دانتے زبان کے ذیل میں شاعر سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنے فن پارے میں ایسے الفاظ ہرگز استعمال نہ کرے جو بے وقار ، بے وقعت ، بودے اور بچپنے یا نسوانیت کی کیفیت کے حامل ہوں ۔ علاوہ ازیں وہ موضوع سے مطابقت رکھنے والے الفاظ ہی کے استعمال کا تقاضا کرتا ہے ۔ اس کا خیال ہے کہ موضوع اگر اعلیٰ و ارفع ہو اور اس کے لئے کمتر درجے کے الفاظ استعمال ہوں تو موضوع سے کسی بھی طرح انصاف نہیں ہو سکتا۔ ایسی صورت حال میں موضوع کی ارفعت مجروح ہوتی ہے اور اس کے برعکس اگر موضوع کمتر درجے کا ہو اور اس پر اظہارِ خیال کرنے کے لئے انتہائی اعلیٰ درجے کے الفاظ استعمال کئے جائیں تو ایسی صورت میں بھی موضوع سے انصاف نہیں ہو پائے گا کیونکہ اس سے فن پارے سے تصنع اور بناوٹ ہی جھلکے گی ۔

جب ہم دانتے کے شاعری کی زبان کے بارے میں دیئے گئے معیارات کے آئینے میں کلام فرید کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ فرید نے دانتے کی سبھی باتوں پر نہایت شاندار انداز میں عمل کیا ہے ۔ فرید نے مختلف موضوعات کو اپنی شاعری میں جگہ دی ہے ۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس نے زبان کے ذیل میں ہر موضوع کے ساتھ مکمل انصاف کیا ہے ۔ جب وہ حمد و ثنا کے لئے قلم اٹھاتا ہے تو اس کا ہر لفظ عشق خدا اور محبت رسول ؐ میں ڈوبا ہوا دکھائی دیتا ہے ۔ جب وہ فسلفہ وحدت الوجود پر بات کرتا ہے تو اس کے تمام اسرار و رموز کو انتہائی مناسب اور موزوں الفاظ سے واضح کرتا ہے ۔ جب وہ منقبت کہتا ہے تو اس کے لئے اسی کے معیار کے عقیدت بھرے الفاظ کو استعمال میں لاتا ہے ۔ جب وہ ہجر و فراق کی بات کرتا ہے تو اس کے مصرعوں میں سے درد و غم چھلکتا

ہوا دکھائی دیتا ہے اور قاری خود کو بھی ہجر و فراق کی کیفیت میں ڈوبا ہوا محسوس کرنے لگتا ہے ۔ اس کی پوری شاعری میں ایک بھی ایسا لفظ دکھائی نہیں دیتا جس کے بارے میں یہ کہا جا سکے کہ یہ لفظ معمولی ہے اور موضوع کے تقاضوں کو پورا نہیں کر پایا ۔ اس نے دانتے کے اس موقف کی اپنے عمل سے تائید کی کہ انسان کسی اور زبان کے برعکس اپنی مادری زبان میں اپنے جذبات ، خیالات اور افکار کا بہتر اور توانا طریقے سے اظہار کر سکتا ہے۔ اس کی شاعری کا اسلوب ایسا ہے کہ اس کی مثال اور کہیں نہیں ملتی ۔ اس طرح فرید دانتے کے زبان اور شاعری کے سلسلے میں مقرر کئے ہوئے معیارات کی بھرپور طریقے سے تکمیل کرتا ہے ۔ کلام فرید سے ایسی چند مثالیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ فرید مذکورہ معیارات کا کس طرح خیال رکھتا ہے ۔

حمد کے لئے استعمال ہونے والی زبان

ہک ہے ، ہک ہے ، ہک ہے
ہک دی دم دم سک ہے

ہک دے ہر ہر جاہ وچ ڈیرے — کیا اچ ہے کیا جھک ہے
ہک ہے ظاہر ہک ہے باطن — بیا سب کجھ ہا لک ہے
مقناطیس تے لوہے وانگوں — ہوں ڈیوں دل دی چھک ہے
جیڑھا ہک کوں ڈیوں کر جانے — او کافر مشرک ہے
جند دے نال خیال خدائی — کیا پورا گیا ہک ہے
یار فرید سنجاݨ کیتے — ایہ نسخہ ہک تک ہے

♦♦♦♦

بھو الف میتوں برماوم ڑی
تی " بے تے " مول نہ بھاوم ڑی

سوہݨی وحدت پرم پریتاں میں — ذوقی گھاتاں عشقی ریتاں میں
کوجھی کثرت کوجھیاں ریتاں میں — دل غیروں غیرت کھاوم ڑی

تتا درد جدید شدید تھیا   ہر روز لہہ سوز مزید تھیا
کی دید فرید خرید تھیا   بن ڈھولن گھر ورنانوم ڑی

♦♦♦♦

رسول عربیؐ کے حضور جب وہ ہدیہ عقیدت پیش کرتا ہے تو اس نازک موضوع کے لئے وہ اس طرح کے الفاظ اور ایسی زبان کا انتخاب کرتا ہے۔

سوہنا عربی سانورا آلمو اساڈیاں ساراں
تیڈے باجھ فرید نوں ڈکھڑے تار متاراں

♦♦♦♦

رانجھن انگ لگایا ہے
سب غیر دا وہم بھلایا ہے

رانجھن میڈا نور الٰہی   مظہر ذات صفات کماہی
سرلولاک کلنگی پائی   طٰہٰ چتر جھلایا ہے

♦♦♦♦

اج ڈوڑی سک دیدار دی ہے
متاں آئی گھری دلدار دی ہے

عرب شریف ہے سوہنی ساری   نازک نازو تے متواری
تھیواں واری لکھ لکھ واری   دار نبی مختار دی ہے

♦♦♦♦

رانجھن جوگی میڈا ماہی   میں بے واہی دا ہے واہی
روز ازل توں اس دی آہی   جیں وارثی نوں ملیا ہے

♦♦♦♦

ونج ڈٹھم مدینہ عالی   جتھاں کون و مکاں دا والی
ہے دھرتی عیبوں خالی   پیا نور رسالت چھکے

♦♦♦♦

فرید نظریہ وحدت الوجود اور ہمہ اوست کا پیرو کار اور مبلغ ہے۔ اس کی شاعری میں لاتعداد ایسے بند اور اشعار دیکھے جا سکتے ہیں جن میں اس نظریے کا پرچار کیا گیا ہے۔ وہ اس سلسلے میں جو زبان استعمال میں لاتا ہے، اس موضوع کے لئے یقینی طور پر یہی زبان ہی استعمال میں آنی چاہیئے تھی۔ چند مثالیں۔

یار کوں کر مسجود چھوڑ ڈے بیا معبود
ہر صورت وچ یار کوں جانڑ غیر نہیں موجود
سب اعداد کوں سمجھیں واحد کثرت ہے مفقود

◆◆◆◆

جتھاں بھال ڈیکھاں تتھے راز ڈسے سبھ حسن تے ناز نواز ڈسے
سبھ سوز فرید نوں ساز ڈسے ہمہ اوست سکھائی ریت بھلی

◆◆◆◆

ہے عشق دا جلوہ ہر ہر جا سبحان اللہ سبحان اللہ
خود عاشق خود معشوق بنیا سبحان اللہ سبحان اللہ
خود بلبل تے پروانہ ہے گل شمع اتے پروانہ ہے
تھی چاند چکور نوں موہ لیا سبحان اللہ سبحان اللہ

◆◆◆◆

کل شی وچ کل شی ڈٹھوسے ہمہ اوست دا درس کیتوسے
برکت صحبت پیراں، پی کر بادہ وحدت کو

وہ بزرگان دین کی خدمت میں جب عقیدت کے پھول پیش کرتا ہے اور اپنی محبت کا اظہار کرتا ہے تو اس کے کلام کا انداز اور معیار عقیدت کے عین مطابق ہوتا ہے۔

ساڈا دوست دلیں دا، نور محمد خواجہ
ڈھولا یار جتیں دا، نور محمد خواجہ
ساری ساڈی شرم بھرم دا تیڈے گل وچ لاجا

دلبر جانی یوسف ثانی موہن مکھ وکھلا جا

****

چشماں فخر الدین مٹھل دیاں تن من کیتا چور
گھول گھتاں میں فخر جہاں توں جنت ، حور قصور

****

فخر جہاں قبول کتوسے واقف کل اسرار تھیوسے
ہر جا نور جمال ڈٹھوسے مخفی راز تھئے اظہار

****

ہجر و فراق فرید کا خاص موضوع ہے ۔ اس نے اس کیفیت کا اظہار بھی دوسرے موضوعات کی طرح بے حد غیر معمولی الفاظ اور موزوں ترین زبان میں کیا ہے ۔ اس کے کلام کا بیشتر حصہ عشق اور ہجر و فراق کا احاطہ کرتا ہے جسے پڑھ یا سن کر قاری اور سامع یقینی طور پر اس جذبے میں فرید کا ہم سفر بن جاتا ہے اور وہ خود کو ایک عجیب کیفیت میں ڈوبا ہوا محسوس کرتا ہے ۔

کیں ڈکھڑی لایم یاری
روندیں عمر گذاریم ساری

سوہنے ہوت بلوچ اوڑے ڈاڈھے کیتے سخت نکھیڑے
نال کی سدھ سلام سنیہڑے کیڈے ویساں سولاں ماری

****

سر آیا برہوں بکھیڑا ڈٹھم رات ہمیشہ جھیڑا
پیا کھانوِیں آنوم ویڑھا ڈھولے اصلوں مخش وساری

****

ہک گھڑی نہیں پیت کلڑی
رووں زار و زار ، لا گجڑے وٹ وٹ وے

کیڑے کمل مساگ کیوے وے
کیڑے ہار سنگار ، گانیاں دی گھنڑ گھنڑ وے

****

اج فال فراق ڈسیندی ہے
متاں یار کنوں نکھڑیندی ہے

تتیاں ودھیاں سکھ تھئے تھوڑے — رنج و الم غم سوز سموے
چرکھا ڈکھڑی روں روں بولے — تند ہنجی دل پیندی ہے
سیدھیاں کجڑیاں ہیندیاں ، بھکڑیاں — کھلے اجڑیاں سرخیاں بکھڑیاں
یاساں ملیاں آساں نکھڑیاں — لوں لوں وینج ولیندی ہے

****

کھدی کھنڑ فرید جھوکاں یاد پوون — اکھیاں نیر ہنجوں کر برسات وسن
لکھ لکھ دانھ اٹھم جاں جاں ڈم جھڑی

****

فرید نے جہاں دیگر رنگارنگ موضوعات کو اپنی فکر اور الفاظ سے چار چاند لگائے ہیں وہیں اس نے فطرت کی طرف بھی بھرپور توجہ دی ہے ۔ اس نے مظاہر فطرت کو اس خوبصورتی سے پیش کیا ہے کہ ان کا حقیقی رنگ و دلکشی کا پر سکون سامان لئے ہوئے آنکھوں میں سما جاتا ہے ۔ فرید نے روہی کے حسن کو خاص طور پر اجاگر کیا ہے اور وہ روہی جو ویرانی اور وحشت کا نمونہ سمجھی جاتی ہے ، ایک گلستان کا حسن اور رعنائی لے کر فرید کی شاعری میں اپنے قاری کو اپنی طرف پوری طرح متوجہ کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہے ۔ فرید نے اس سلسلے میں اپنے مشاہدے کی صلاحیت کا حیران کن حد تک ثبوت فراہم کیا ہے اور فطرت کے اظہار میں ایسی زبان استعمال کی ہے کہ جس سے اس کی زبان پر مکمل دسترس کا پتا چلتا ہے ۔ مناظر فطرت کو فرید اپنی شاعری میں کس طرح سموتا ہے ، اس کا اندازہ مندرجہ ذیل نمونوں سے کیا جاسکتا ہے ۔

پورب طرف ڈیہوں مینگھ ملہار ڈٖھم   بجلی لسک ڈٖتی گج گج گاج شیم

رہساں اتھ نہ اڑی ویساں وطن وری

****

چیتر بہاراں کھیتر ہزاراں   ٹوبھے تار متاراں

گل گلزاراں لکھ لکاراں   کنیں پوون تواراں

****

آئے مست ڈٖہاڑے ساونڑ دے

وہ ساونڑ دے من بھاونڑ دے

بدلے پورب ماڑ ڈٖکھنڑ دے   کھلے ، بھورے سوسو ونڑ دے

چار ے طرفوں زور پونڑ دے   سارے جوڑ وساونڑ دے

چکویاں چکوے اغن پپیئے   شاغل گیت سناونڑ دے

ڈٖینہاں پینگھاں ساویاں پیلیاں   راتیں کھٹیاں کھمنڑ رنگیلیاں

گج گج گاجاں گجن رسیلیاں   وقت سہاگ سہاونڑ دے

****

فرید نے جس موضوع کو بھی اپنی شاعری کا رزق بنایا ہے اور اس پر طبع آزمائی کی ہے ، اس نے الفاظ ، زبان ، اسلوب ، فکر اور مواد ہر اک معاملے میں اپنی بلندی اور اعلیٰ معیار کو برقرار رکھا ہے اور اس طرح اس نے دانتے کی طرف سے اعلیٰ و ارفع شاعری کے لئے دیئے گئے معیارات کی پوری طرح تکمیل کی ہے۔

*****

فرید اور فلپ سڈنی

فلپ سڈنی کو انگریزی ادب کی نشاۃ ثانیہ کا سب سے بڑا اور اہم نقاد تسلیم کیا جاتا ہے ۔ اس کا دور دراصل مذہبی عصبیتوں کا دور ہے جس میں شاعری پر شدت سے اعتراضات کئے گئے ۔ سڈنی نے شاعری پر کئے جانے والے اعتراضات کا شدت ہی سے جواب دیا اور اس کی مدافعت میں سخت رویہ اختیار کیا ۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ جو شدت اور انتہا پسندی اس دور کی شاعری پر اعتراض کرنے والوں میں دکھائی دیتی ہے وہی شدت اور انتہا پسندی اس کی مدافعت کرنے والوں میں بھی نظر آتی ہے ۔ سڈنی نے شاعری کی مدافعت میں ایک رسالہ "APOLOGY FOR POETRY" کے نام سے تحریر کیا جس میں شاعری پر بحث کے دوران میں اس کے تنقیدی نظریات و اشارات ہمارے سامنے آتے ہیں ۔

سڈنی کے نظریات کو ایک زمانے میں خاصی مقبولیت نصیب ہوئی جنھوں نے بن جانسن ، شکسپیئر اور شیلے جیسے مشاہیر ادب کو متاثر کیا ۔ ایک خیال کے مطابق شیلے نے جب شاعری کی مدافعت میں "DEFENCE OF POETRY" کو ترتیب دیا تو اس نے سڈنی کے مذکورہ مشہور زمانہ رسالے کو سامنے رکھا جس میں اس کے تنقیدی نظریات درج ہیں ۔ سڈنی کا یہ رسالہ اپنے سادہ اسلوب ، وزنی دلائل ، لائق قدر جوش و جذبہ اور محتاط و پر وقار مزاج کے باعث ایک خصوصی اہمیت کا حامل ہے ۔ اس نے اپنے نظریات کی تشکیل اور مواد کی ترتیب میں یونانی اور اطالوی ناقدین کے صرف انہی خیالات سے استفادہ کیا جو اس کے ذاتی افکار سے ہم آہنگ ہونے کی صلاحیت رکھتے تھے ۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ سر فلپ سڈنی نے تنقید کے دشت میں گو پھونک پھونک کر قدم رکھا لیکن اس کے باوجود شاعری کی مدافعت میں اس کا جوش اور جذبہ اسے شدت اور انتہا پسندی کے قریب لے گیا۔

سڈنی کے تنقیدی نظریات کا اگر بغور مطالعہ کیا جائے تو اعلیٰ و ارفع شاعری کے

سلسلے میں اس کے مندرجہ ذیل نکات سامنے آتے ہیں ۔

۱۔ سڈنی اعلیٰ و ارفع شاعری کے لئے لازمی قرار دیتا ہے کہ وہ اخلاق آموز ہو ۔ اس کے نزدیک وہ سچ جو ذہنوں کو غلط سمت لے جاتا ہو ، اس جھوٹ سے نہایت پست مقام رکھتا ہے جس کے سبب ذہنوں کی اخلاقی سطح بلند ہوتی ہو ۔ اس کے خیال میں شاعری جھوٹ کا پلندہ نہیں ہونی چاہیئے لیکن ایسا جھوٹ جس سے کوئی اخلاقی مقصد حاصل ہو سکتا ہو ، اس کا شاعری میں شامل ہو جانا عیب کی بات نہیں ۔ وہ اخلاق آموزی کے لئے ان فرضی باتوں کو جائز سمجھتا ہے جس سے اصلاح کا کام لیا جائے ۔ وہ افلاطون کی طرح تمام شاعروں کو مثالی ریاست سے باہر نہیں نکالنا چاہتا بلکہ وہ صرف ایسے شاعروں کا مخالف ہے جو شاعری کا غلط استعمال کرتے ہیں۔ اس کے نزدیک اعلیٰ شاعری کا منصب یہ ہے کہ وہ عمدہ اخلاق کی ترویج و ترقی میں اپنا کردار اہمیت اور بھرپور توانائی کے ساتھ ادا کرے ۔

۲۔ فلپ سڈنی کا خیال ہے کہ شاعر نقالی نہیں کرتا اور نہ ہی وہ مظاہر کی عکاسی کو اپنا منصب محض سمجھتا ہے بلکہ وہ تو اپنے تصورات کی طاقت سے ایسی تخلیق منظر عام پر لاتا ہے جو اصل مظاہر سے کہیں زیادہ خوبصورت ہوتی ہے ۔ اس طرح اس کے نزدیک کسی شاعر میں یہ بہترین خوبی لازمی ہونی چاہیئے کہ وہ اپنے تصورات کی توانائی اور اختراعی قوت سے ایک ایسا جہان ترتیب دے جو ظاہری جہان سے ہر حال بہتر ہو ۔ وہ کہتا ہے کہ فطرت بذات خود اس قدر خوبصورت نہیں ہوتی جس قدر شاعر اسے اپنے جوش تخیل سے خوبصورت بنا دیتا ہے ۔اس کی سوچی سمجھی رائے ہے کہ شاعر اگر چاہے تو کنکر بھی موتی نظر آنے لگتا ہے اور یہی اس کا کمال فن ہے ۔

۳۔ سڈنی فن پارے کی تخلیق میں خیال افروز انداز بیاں ، بہترین ، توانا اور جاذب نظر اسلوب کو بے حد اہمیت دیتا ہے ۔

۴۔ سڈنی شاعری کو ایک ایسا عمل قرار دیتا ہے جو انسانی فطرت کے عین مطابق ہے اور اس عمل نے انسانوں کو نامعلوم صدیوں سے آج تک سچائی اور حسن کے گیتوں کی تخلیق میں مگن کیا ہوا ہے ۔

جب ہم سڈنی کے ان نظریات کے آیئنے میں فرید کے کلام کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں اس کا کلام سڈنی کے تمام نظریات کی تکمیل کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے ۔ فلپ سڈنی اعلیٰ و ارفع شاعری کے لئے سب سے پہلے جس بات پر زور دیتا ہے وہ یہ ہے کہ شاعری کو اخلاق آموز ہونا چاہیئے ۔ کلام فرید کے مطالعے سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ اس کی پوری شاعری میں شاید ایک مصرعہ بھی ایسا نظر نہ آئے جو اخلاقی گراوٹ کے ذیل میں آتا ہو ۔ کلام فرید کا جہاں سے بھی مطالعہ کیا جائے اس میں سے اخلاق آموزی کے ایسے ایسے پہلو کھل کر سامنے آتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے ۔ فرید شاعروں کے ایسے قبیلے سے تعلق رکھتا ہے بلکہ وہ اس کا اہم فرد ہے جس سے تعلق رکھنے والے صرف علم ظاہری ہی کی لاٹھی کے سہارے نہیں چلتے بلکہ انہیں معرفت کی روشنی بھی میسر ہے اور یہ ایسی روشنی ہے جس کے اثر میں رہنے اور چلنے والا کوئی بھی شخص صرف وہی بات کرے گا جو اخلاق کی بلندیوں کو چھو رہی ہو ۔ اس کے باوجود اگر کوئی شخص کلام فرید میں اخلاقی خرابی کا کوئی پہلو کھوج نکالنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ اس کی اپنی ذہنی سطح کا اظہار ہو گا ۔ فرید خود کہتا ہے ۔

خاموش فرید اسرار کنوں   چپ بے ہودہ گفتار کنوں
پر غافل نہ تھی یار کنوں   ایہو لاریبی فرمان آیا

◆◆◆◆

یوں تو فرید کا سارا کلام اخلاق آموزی کا اعلیٰ نمونہ ہے لیکن کوئی بھی نقاد یا قاری مندرجہ ذیل نمونہ کلام کے مطالعے سے بخوبی اندازہ کر سکتا ہے کہ فرید نے اپنے کلام میں اخلاق آموزی کا عنصر اس خوبی سے شامل کیا ہے کہ اس میں آورد کا گمان تک نہیں

ہوتا ۔ اس طرح فرید نے فلپ سڈنی کے اخلاق آموزی کے تصور کو چار چاند لگا کر پیش کیا ہے ۔

تھی تابع خلقت سبھ تاں وی کیا تھی پیا
تھیوں نہ گم مطلب

تیڈا رشد ارشاد وی توڑے وچ پھوتا عجم عرب، تاں وی کیا تھی پیا
پڑھ پڑھ بید پران صحائف پیا سکھیوں علم ادب ، تاں وی کیا تھی پیا
وچ آثار افعال صفائیں بے یار گدھوئی لبھ ، تاں وی کیا تھی پیا
غوثی قطبی رتبہ پاپو تھیوں شیخ شیوخ لقب ، تاں وی کیا تھی پیا
تھیوں نہ گم مطلب

****

ہر آن احد ڈوں دھیان دھرو ہے بے شک دین ایمان ایہو
دل نال فرید دا وعظ سُنو سو بات وی ہے ہک بات عجب

****

کیا تھیا جو تیڈی نہ بنی
تھیسی اوہا جو رب بھنی

دولت کوں چوچی لا اڑا نھیگ باز دا ڈنگو نہ چا
آزاد تھی صفا صفا چرچ گھن سچائی دی انی
ایں راہ ڈوں آویں نہ ہا جے آئیں قدم ڈیکھو ڈیکھ ودھا
پچھوں تے نہ ڈیکھیں منہ ولا حیلہ کریں سر تیں تئی

****

عشق اوارہ پیڑوو ، لوکاں خبر نہ کائی
شالا تیڈا کوئی نہ للوے درد اندیشے سوز سوائے
دم دم دل دلگیر وو ، سر تے سختی آئی

****

سنڄ وو سہیلی سگھڑ سیانی
برہوں دے پندھڑے سخت بعید

روونڄ پٹݨ کوں گھوں شادی   سیج بر، جھر جھنگ، ڈسم آبادی
عشرہ محرم ساڈڑی عید

••••

بٹھ سمت کوڑ ٹکڑے، ہک حق نوں کر یاد
تھی کر گملا رت پوں تے، کریں دھاتھ فریاد

••••

عشق اولڑی چال بھلا یار وے
یاریاں لاوݨ سر منگدیاں

••••

سکھ ریت روش منصوری نوں
ہݨ تھپ رکھ کنز قدوری نوں

••••

سمجھ سنڄاݨی، غیر نہ جاݨی
سبھ صورت ہے عین ظہور

••••

شاعری میں سبق آموزی کے واضح عنصر کے بعد فلپ سڈنی شاعر سے توقع کرتا ہے کہ وہ فطرت کے حسن کو اس طرح واضح کرے کہ وہ اپنے اصل سے کہیں بہتر نظر آئے۔ وہ چاہتا ہے کہ شاعر اپنے تصور کی ایسی تصویر پیش کرے جس سے اس کی اختراعی قوت نقطہ عروج پر نظر آئے۔

جب ہم فرید کے کلام میں اس کی طرف سے فطرت کو انتہائی خوبصورت کر کے پیش کرنے کے عمل کا جائزہ لیتے ہیں تو واضح ہوتا ہے کہ اس نے اس عمل میں بھی خود کو اعلیٰ ترین معیار کا حامل شاعر ثابت کیا ہے۔ صحرا جو ویرانی اور وحشت کی علامت

گردانا جاتا ہے ، فرید کے کلام میں حسن و جمال کی ایک ایسی تصویر بن کر سامنے آتا ہے کہ اس کے حسن کو بنظر خود دیکھنے کو جی چاہتا ہے ۔ فرید کی شاعری میں ٹوبھا خوبصورتی کا مرقع ، روہی کی جھاڑیاں ، حسن کا نمونہ ، جانوروں کی آوازیں مقناطیسی کشش کی حامل اور بیلوں جال رنگا رنگ کا بھرپور عکس لے کر ابھرتی ہیں۔ یہی وہ اختراعی قوت ہے جو پیتل کو سونا اور کنکر کو موتی کا روپ دے دیتی ہے اور اس تبدیلی میں ہنر مندی کا ایسا جوہر شامل کر دیا جاتا ہے کہ جس کے زیر اثر یہ حسن کبھی ماند نہیں پڑنے پاتا ۔

روہی وٹھڑی گھا تھئے مٹڑیں گلیڑیاں جاہیں
گائیں سنس سوائیاں سے سے چرن کراہیں
سندھڑی ڈکھڑے گھاڑے روہی مڑے بھاہیں
لانڑے پھوگ پھلاریئے رل مل چاروں ڈاکاں

••••

وٹھڑی پلی سدا متوالی مینھ وسراند تے والی آلی
روہی رشک ملیر ، ویندا بخت ولایا

••••

لانڑے پھوگ فرید سوہیساں سٹ گھر بار تے یار وسیساں
کرڑی تے ونج جھوکاں لیساں اج کل ٹوبھا وس پیا

••••

بدلیں جڑ گھنگھور مچائی پھوگیں لانڑیں تنگی چائی
ناز کریندی لائی لائی عارف عبرت کھاندے ہن
ہینسر بولے ، بینے ٹھمکن والیاں والے جھمکے جھمکن
کڑیاں نورے ہیریں گھمکن زیور ، تریور نھپندے ہن

••••

روہی گگڑی ہے ساونڑی ترت ولا ہوت مہاراں
کھمڑیاں کھمن رنگیلڑیاں رم جھم بارش باراں

سارے سگھڑ سگھڑے — یار علم آ یاراں
بدلے گوڑھے ساؤرے — وچ برسات دیاں دھاراں
ٹبڑے ڈِھیر سلاڑے — ٹوبھے تر متاراں
چھیڑن چھیڑو چھانگڑاں — ناز کرن تواراں
ککڑے ککڑے ڈھاندلے — کرن مِن مینھ پھنگاراں
طرفاں مرغاں پھوگڑے — لائی ، لایاں کھاراں

••••

آ چھٹوں رل یار ، بیلوں پکیاں نی وے
کئی بھوریاں ، کئی ساویاں پیلیاں — کئی بگڑیاں ، کئی پھکڑیاں نیلیاں
کئی اودیاں گلنار ، کٹویاں رتیاں نی وے

••••

ولھ ککڑیاں ، ربھلڑ کچریاں — کئی سبز متیرے کھکڑیاں
کئی گدریاں پیلیاں ککڑیاں — سر روہی سوہندے سہرے
خوش قطرج عطروں بھنڑی — گز لائی ساوی بھنڑی
کھا ساگ پوہی تے بھنڑی — نبھ ویندے وقت سکھیرے
دل ہر ویلے پیا تانگھے — ونج پیکھاں مال دے لانگھے
گئیں ، بکریاں ، بھیڈاں ، چھانگے — لکھ پوندم قدم اگیرے

••••

اے مست ڈِہاڑے ساون دے
وہ ساون دے من بھاون دے
روہی راوے تھئیاں گلزاراں — تھل چترانگ دی باغ بہاراں
گھنڈ تواراں ، بارش باراں — چرچے دھاون گاون دے

چاندنی رات ٹھاری ٹھنڈ ہے   ٹھنڈڑیاں ہیلاں رم جھم مینہ ہے
سوہنی موسم گجرا مینہ ہے   گجے ویلے ہن غم کھاون دے

●●●●

پردیسی یارا ، وا پورب دے کھلے

ساون مینہ برسات دی واری   پھوگ پھلی کھپ پھلے
گاجاں گجکن ، بجلیاں لسکن   ذوقوں دلڑی چلے
دھامن ، کترن سٹھ تے سبھوں   چتر ساگ دا جھلے

●●●●

روہی رنگ رنگیلی   چک کھپ ہار حمیلاں پاوے
بوٹے بوٹے گھنڈ ساگوں   گیت پرم دے گاوے
کیسر بھنڑی چولی چنری   ول ول مینہ پوساوے

●●●●

روہی وٹھڑی ٹوبھا تار وے   آ مل تو سینگا یار وے
تھیئے تھلڑے باغ بہار وے   چودھار گل گلزار وے
کتھے چنگیں دی چھنکار وے   کتھے مٹیاں دی گھمکار وے
ٹھنڈھ رات مینگھ ملار وے   وچھ پکھیاں دی چوہنکار وے

●●●●

شاعری کے لئے فلپ سڈنی نے جہاں اخلاق آموز ہونے کے ساتھ اس میں شاعر کی طرف سے فطرت کو حسین تر بنا کر پیش کرنے کی شاعرانہ صلاحیت اور اختراعی قوت کا ذکر کیا ہے وہاں اس کے اسلوب کی اہمیت پر بھی خاص طور پر زور دیا ہے۔ سڈنی کہتا ہے کہ شاعر کا انداز بیاں خیال افروز ، جاذب نظر اور توانا ہونا چاہیے کیونکہ اگر شاعر کا اسلوب اس معیار کا نہیں ہو گا تو اس کی شاعری میں تصورات کو اعلیٰ سطح پر پیش کرنے کی صلاحیت بھی مفقود ہو گی۔

جب ہم فرید کے اسلوب شاعری کا جائزہ لیتے ہیں تو از اول تا آخر ہمیں اس میں ایسی توانائی دکھائی دیتی ہے جسے دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے ۔ اس کی شاعری کا انداز ایک ایسا منفرد انداز ہے جس کی مثال پورے عالمی ادب میں اور کہیں نہیں ملتی ۔ اس کی شاعری میں فن شاعری کے سبھی لوازم اس ترتیب اور سلیقے سے رونق افروز ہوئے ہیں کہ ہر مصرعہ ترنم کی اعلیٰ صلاحیت اور خصوصیت کا حامل ہو گیا ہے ۔ اس کی شاعری میں علم بیان اور صنائع بدائع کی سبھی خوبصورتیاں اس طرح جلوہ گر ہوئی ہیں کہ ان پر آورد کا کہیں بھی کوئی گمان نہیں ہوتا ۔ اس کے کلام کے اسی انداز نے اس کے اسلوب کو باوقار ، زور دار ، جاذب نظر ، پر اثر اور ایسا خیال افروز بنا دیا ہے کہ جو سننے کے اس بارے میں تصورات سے بھی کہیں زیادہ خوبصورت ہے ۔ کلام فرید کا اسلوب ملاحظہ ہو ۔

ست سانول سجن سدھایا
سر سنجرے سول ستایا
تتڑی کھڑی تتڑی مڑی سانگ ہجر دی رلڑی
جندڑی جلڑی دلڑی گجڑی تگڑی اگ کللڑی
پیڑ اولڑی تیڑے کھلڑی پل پل پور پرایا

●●●●

میڈا عشق وی توں میڈا یار وی توں
میڈا دین وی توں ایمان وی توں
میڈا جسم وی توں ، میڈا روح وی توں میڈا قلب وی توں جند جان وی توں
میڈا کعبہ ، قبلہ ، مسجد ، منبر مصحف تے قرآن وی توں
میڈا دھرم وی توں میڈا بھرم وی توں میڈا شرم وی توں میڈی شان وی توں

●●●●

ہن عشق وہاجیم چس سائیں
لکھ وار اساہی بس سائیں

●●●●

آپے یار محبت چائیم ڈی
وچ آپ کوں آپ اڑائیم ڈی
سب ڈکھاں سولاں دی تات ملیم   غم درد اندوہ برات ملیم
بھیڑے ڈکھڑیں مار مُنجھائیم ڈی

♦♦♦♦

پئی پیت دے پندھ پڑے
برے برہوں دے بار برے
دلڑی حرل ، اکھیاں پل پل   ویریں چھل چھل چھالے
زل درد اندر دے درل   ہاڑے روگ کشالے
جل پل تے ہتھ مل مل کوکاں
زخم پئے وچ زیرے

♦♦♦♦

توں بن موت بھلی ویندم شالا مری
تکساں یک نہ زری جیساں پل نہ گھڑی
سرخی مندی مٹھی ، کجلہ دھار گھیوم   ناز نواز بھلیا یار سنگھار گھیوم
بینسر بول بھناں اجڑی مانگ دھڑی

♦♦♦♦

غمزے کردے جنگ ، لڑدے مول نہ اڑدے
نیزے تیر تفنگ ، قہری ناز نظردے

♦♦♦♦

عشق چلائے تیر ہاڑھے ظلم قہر دے
یار ملیا بے پیر لوں لوں وچ سو دردے
قول ڈکھاں دی ، سیج نہ بھاندی   سول سراندی درد پواندی
رگ رگ وچ ہے پیڑ ڈیندا روگ اندر دے

♦♦♦♦

کل غیر کنوں جی واندے
منٹھی ریت انوکھی راندے

••••

نیناں نہیں رہندے ڈکے

مین نیناں ساں اڑدے لڑدے ۔ لا کر ناز دے ٹکے
نگریں ، کوچیں ، شہر بازاراں ۔ لگجڑے مینھ دے پکے
ناز نہورے ٹوکاں نخرے ۔ لاثون برہوں دے سکے
منٹھیں سنگریں ملغے تبرے ۔ گھترے لوکاں چکے
سساں ٹوکاں دیساں جھوکاں ۔ خویش قبیلے سکے
یار بناں پھوک اگ اڑیساں ۔ ہار حمیلاں پٹ کے
ڈکھڑے سندے مین نہ رہندے ۔ بے وس تھی کر اکے
نیڑے باجھ فرید نہ بھاوے ۔ بٹھ گھت کوڑے ککھے

••••

سڈنی اگر یہ سمجھتا ہے کہ شاعری ایک فطری عمل ہے جس کے تحت شاعر صدیوں سے سچائی اور حسن کے گیتوں کی تخلیق کر رہا ہے تو فرید اس کی اس فہم کے مطابق بلا شبہ اس فطری عمل کو بہت خوبی سے آگے بڑھاتا ہوا دکھائی دیتا ہے ۔ فرید کی شاعری کے مطالعے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حسن و محبت ، امن و آشتی اور بہترین انسانی اور روحانی قدروں کا پرچار کرنے والا شاعر ہے ۔ وہ سچائی کے راستے کا ایک ایسا مسافر ہے جو اس راستے کو کسی بھی طرح ترک نہیں کر سکتا ۔ اس کی شاعری لازوال جذبوں کی شاعری ہے جس کے وقار میں وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ اضافہ ہوتا جا رہا ہے ۔ فرید کی شاعری بالحاظ معنی انکشافات کے ایک ایسے تسلسل سے وابستہ ہو گئی ہے جس کا شاید کبھی اختتام نہیں ہو گا ۔

الف ہکو ہم بس وے میاں جی

ہور کہانڑ مول نہ بھائی　　الف ہیم دل کھس وے میاں جی

جیندیں ہوئیں ہک یار وے رہسوں　　وسری ہور ہوس وے میاں جی

عشقوں مول فرید نہ پھرسوں　　روز نویں ہم چس وے میاں جی

****

جیونڑ بنّھ اڈھائی دو یار

سٹ گھت فخر وڈائی دو یار

کوڑی صحبت ، کوڑی سنگت　　کوڑے نخرے ، کوڑی رنگت

لپ دھوڑی ہک چھائی دو یار

****

فرید اور بن جانسن

بن جانسن ایک اہم انگریز نقاد ہے جس کے دور کو دو متحارب ادبی گروہوں کے دور کا نام دیا جا سکتا ہے جو شدت اور انتہا پسندی کے جذبے کے زیر اثر لفظوں کی جنگ سے ایک دوسرے کو زیر کرنے میں مصروف نظر آتے ہیں ۔ یہ متحارب گروہ ایسے ہیں کہ ان میں سے کوئی بھی پسپائی کا تصور نہیں کر سکتا ۔

بن جانسن ادب کی نشاۃ ثانیہ ہی میں ابھر کر سامنے آنے والا نقاد ہے جس نے شاعری کی مدافعت میں سرفلپ سڈنی کی طرح شدت کا مظاہرہ نہیں کیا بلکہ وہ دو شدید رویوں کے حامل گروہوں کے درمیان سفید جھنڈا یعنی امن و آشتی کا پیغام لئے ان کے اختلافات کو ختم کرانے کی کوشش میں سرگرداں دکھائی دیتا ہے ۔

بن جانسن کے دور میں ایک گروہ قواعد پرستی اور کلاسیکیت کا علمبردار دکھائی دیتا ہے جبکہ دوسرا گروہ تخلیقی صلاحیت یعنی جینئس (GENIUS) کو دلیل کا درجہ دے کر روایت کو تہس نہس کرتا ہوا آگے نکلنے کی کوشش میں مصروف نظر آتا ہے ۔

بن جانسن گو خود قواعد پرستی اور کلاسیکیت کے لئے ہمدردانہ رویے کی حامل شخصیت کے طور پر سامنے آتا ہے لیکن اس نے نہایت ہوشمندی اور دانائی کے ساتھ انتہا پسندی سے بچنے کے لئے اعتدال کی یعنی درمیانی راہ نکالی ۔ وہ کہتا ہے کہ ادب کی تخلیق میں ہمیں اپنی روایت سے انحراف نہیں کرنا چاہیئے ۔ وہ بے حد معقول اور دھیمے لہجے میں کہتا ہے کہ ادب کی تخلیق میں بے قاعدگی کسی جاندار تخلیق کی شاید ضمانت نہیں دیتی بلکہ ہمیں چاہیئے کہ ہم اپنے کلاسیکی نمونوں کی پیروی کرتے ہوئے آگے بڑھنے کی کوشش کریں ۔ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ جینئس(GENIUS) یعنی تخلیقی صلاحیت کسی بھی تخلیق کار کی بنیادی خوبی ہے جسے کثرت مطالعہ اور فن کی مسلسل اور متواتر مشق کے تابع ہی استعمال کرنا چاہیئے ۔ اس کے نزدیک اساتذہ فن کا اتباع تخلیق کی صلاحیت کو درست سمت میں بڑھانے میں مددگار ثابت ہوتا ہے جس کے نتیجے میں تخلیق کار کو یقینی

طور پر ایسی روشنی میسر آتی ہے جس کے باعث اس کا منزل کی طرف اعتماد کے ساتھ گامزن رہنا دشوار نہیں رہتا۔ اس طرح وہ لانجائنس کے اس عمل کی ایک طرح سے تائید کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے کہ جس میں لانجائنس اکتساب کی اہمیت پر زور دیتا ہے۔

بن جانسن نے اس درمیانی راہ پر گامزن رہتے ہوئے سرفلپ سڈنی کے شاعری کے لئے اخلاق آموز ہونے کے نظریئے کو وسعت دی اور اس طرح اس نے اس نظریئے کی اہمیت کو اجاگر کرنے کی کوشش بھی کی ۔ وہ کہتا ہے کہ صرف شاعری ہی کے لئے اخلاق آموز ہونے سے کام نہیں بنتا۔ شاعری کو تو اخلاق آموز ہونا ہی چاہیئے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کے تخلیق کار کے لئے بھی مناسب ہوگا کہ وہ اعتدال اور راستی کی راہ پر چلتے ہوئے خود کو اعلیٰ اخلاق کا نمونہ ثابت کرے ۔ اس طرح بن جانسن اعلیٰ و ارفع شاعری کے لئے مندرجہ ذیل نظریات کا پرچار کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے ۔

۱۔ شاعری اخلاق آموز ہو اور اس کا تخلیق کار بھی سچائی اور عمدہ اخلاق کا نمونہ ہو ۔

۲۔ تخلیقی صلاحیت (Genius) یعنی جینیئس ایک بنیادی خوبی ہے لیکن شاعر کی طرف سے شاعری میں اس صلاحیت کے بھرپور اظہار کے ساتھ ساتھ کثرت مطالعہ اور فنی مشق کا اظہار بھی ہونا چاہیئے کیونکہ قدیم فن پاروں اور ان کی روایات و نظم و ضبط کو اختیار کئے بغیر تخلیقی صلاحیت بے راہ ہو جاتی ہے ۔

جب ہم بن جانسن کی طرف سے اعلیٰ و ارفع شاعری کے لئے دیئے گئے معیارات کی روشنی میں کلام فرید کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں فرید ان تمام معیارات پر پورا اترتا ہو دکھائی دیتا ہے ۔

بن جانسن نے سب سے پہلے عمدہ شاعری کی پہچان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ عمدہ شاعری وہ ہے کہ جو اخلاق آموزی کی خوبی سے آراستہ ہو ۔ فرید کی شاعری کے اخلاق آموز ہونے کا جائزہ ہم فلپ سڈنی کے دیئے ہوئے اشارات کی روشنی میں پہلے بھی لے چکے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ فرید کا کلام اخلاق آموزی کے بہترین عمل

کا حامل ہے۔ مثلاً جب وہ یہ کہتا ہے کہ

خاموش فرید اسرار کنوں چپ ہے ہو وہ گفتار کنوں
پر غافل نہ تھی یار کنوں ایہو لاریبی فرمان آیا

♦♦♦♦

تو وہ نہ صرف خود کو ایک ضابطے اور اعلیٰ اخلاق کا پابند ہونے کی تلقین کرتا ہے بلکہ واضح اشارہ دیتا ہے کہ انسانی زندگی ایک ضابطے ہی کے اندر رہنی چاہیئے کیونکہ یہی وہ فرمان ہے جس کے تابع زندگی گزارے بغیر انسان سرخرو نہیں ہو سکتا ہے۔ کلام فرید ہرگام اخلاق آموزی کا بہترین نمونہ فراہم کرتا ہے۔

سٹ خرقہ بٹھ گھت سجادہ جامہ جاں شو پاک بہ بادہ
کردم پیر مغاں تاکید

♦♦♦♦

اپنی ایک کافی کے اس بند میں ابن العربی اور فخر جہاںؒ کے ارشادات کی پیروی کرنے پر زور دیتے ہوئے وہ ایک اچھوتا سبق پڑھاتا ہے۔

باجھ محبت ذاتی، کوجھا شور فساد مرشد فخر جہاںؒ نے کیتم ایہ ارشاد
عارف ابن العربی ساڈا ہے استاد سمجھ فرید ہمیشہ ہو غیروں آزاد

♦♦♦♦

رب قدیر کے فیصلوں کے آگے سر جھکانے اور انہیں دل و جان سے تسلیم کرنے کا درس دیتے ہوئے فرید کہتا ہے۔

پڑھ بسم اللہ ڈکھڑے چیساں خوشیاں کر کر جھولی پیساں
جے وت تیکوں ہے منظور

♦♦♦♦

ایک اور اخلاق آموز بات

چوریوں چاریوں استغفار
بخشم شالا رب غفار

گندڑی عادت گندڑے فعلوں   توبہ توبہ لکھ لکھ وار

****

اپنی حقیقت بھول توں   ہے کوں نہ اصلوں بھول توں
رکھ یاد ساڈا بول توں   آئیں نہ شک ، ہے محض ہک

****

نینھ لازم کارنْ سکھ وے میاں
پئے پلڑے ڈوڑے ڈکھ وے میاں
نہ خواہش دنیا دولت دی   نہ شاہی شوکت صولت دی
ہے ہک دیدار دی بکھ وے میاں
ہیوں عشق دے ملک دے میر اساں   پوشاک ہے سو سٹھ لیر اساں
ہے بستر کھتری ککھ وے میاں

****

مملکت عشق کے میر فرید کے کلام پر بحث کرتے ہوئے اگر ہم اس سوال کے جواب کی تلاش کی کوشش کریں کہ فرید شاعروں کے کس گروہ سے تعلق رکھتا ہے تو جواب نہایت آسان اور سادہ ہے۔ فرید شاعروں کے اس گروہ کا اہم ترین فرد ہے جس کا ہر فرد نہ صرف خود حسن اخلاق کے اونچے مرتبے پر نظر آتا ہے بلکہ اس کی شاعری بھی اپنے قاری کی ایک ایسی منزل کی طرف رہنمائی کرتی ہے جو ہر انسان کے لئے قابل رشک ہے۔

فرید نے ایک ایسے گھرانے میں آنکھ کھولی جس کے ہر فرد کو روزوشب اخلاق کا سبق زندگی کی اولین ضرورت کے طور پر پڑھایا جاتا ہے۔ حسن اخلاق اس گھرانے کے ہر فرد کی گھٹی میں شامل کر دیا جاتا ہے۔ کلام فرید کا مطالعہ ثابت کرتا ہے کہ اس کا تخلیق کار کوئی عام انسان نہیں۔ وہ افکار کے ایک ایسے شجر کی مانند ہے جس کی ہر شاخ پر حسن اخلاق کی تمام تر خصوصیات کے حامل پھول ہر وقت کھلے رہتے ہیں اور جن کی خوشبو سے بھٹکے ہوئے راہی اپنے اذہان کو معطر کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح بن جانسن نے اخلاق اور اخلاق آموزی کا جو معیار ایک بہترین شاعر اور اعلیٰ و ارفع شاعری کے لئے مقرر کیا ہے ،

فرید اس کی مکمل طور پر تکمیل کرتا ہے ۔

بن جانسن اعلیٰ شاعری کے لئے جو دوسری بات کرتا ہے وہ اس کے تخلیق کار کی تخلیقی صلاحیت ، فنی مشق ، کثرت مطالعہ اور قدیم فن کی روایت اور ان کے نظم و ضبط کی پیروی کرتے ہوئے اپنے فن پاروں کو انہی اعلیٰ خصوصیات کا حامل بنانے کی بات ہے ۔ جب ہم فرید اور کلام فرید کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ فرید روایات کی پاسداری کرنے والا ایک ایسا شاعر ہے جس نے جدت کے شوق میں روایات سے بغاوت نہیں کی ۔ اس کے کلام میں عربی ، سندھی اور فارسی عروض کے علاوہ ہندی گیتوں کی لے کے اثرات موجود ہیں ۔ وہ اپنے کلام میں علم بیان کی سبھی روایات کی مکمل طور پر پاسداری کرتے ہوئے دکھائی دیتا ہے ۔ وہ اپنے کلام میں ہئیت کے تجربے کر کے ثابت کرتا ہے کہ وہ تخلیقی صلاحیت کے نہ صرف مثبت رویے کا ادراک رکھتا ہے بلکہ اس کے یہاں تصوف کے باریک نکات ، تلمیحات اور صنعتوں کی ناقابل یقین حد تک کثرت اس کے وسعت مطالعہ اور فنی ریاضت کا ثبوت بھی مہیا کرتی ہے ۔ وہ معرفت کے اسرار و رموز کو اس خوبی اور صلاحیت سے اپنے اشعار میں جگہ دیتا ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے ۔ وہ فنی اجتہاد کے عمل کو نہایت وثوق اور اعتماد کے ساتھ سرانجام دیتا ہے وہ اگر ایک طرف پہلے سے رائج بحور اور اوزان کو فن کارانہ مہارت کے ساتھ استعمال کرتا ہے تو دوسری طرف نئی بحور اور نئے اوزان سے اپنی شاعری کو آراستہ کر کے اپنے قاری کو حیران کر دیتا ہے ۔ وہ اپنے خیالات کے اظہار میں خیال کے پس منظر اور پیش منظر پر مکمل نظر رکھتا ہے جو اس کے وسیع المشاہدہ اور کثیر المطالعہ ہونے کی دلیل ہے ۔ اس طرح وہ تخلیقی صلاحیت کے اظہار کے ساتھ ساتھ روایات کا بھرم رکھنے کی کامیاب جدوجہد میں مصروف دکھائی دیتا ہے ۔ اسی لئے فرید کو بجا طور پر جدید کافی کا معمار اور شاعری کے ایک دبستان کا بانی کہا جاتا ہے ۔

فرید نے کافی کی روایتی ہئیت کو بھی اختیار کیا ہے اور اس نے اسے کئی نئی شکلیں بھی عطا کی ہیں ۔ اس کا یہ عمل ایک طرف تو اسے روایت پر اپنے فن کی عظیم عمارت استوار کرنے والا شاعر ثابت کرتا ہے اور دوسری طرف اس نے کافی کی ہئیت میں مختلف تبدیلیاں کر کے ایک طرح سے دنیا بھر سے اپنی تخلیقی صلاحیت کا لوہا منوایا ہے ۔

اس کی تخلیقی صلاحیت کا راز صرف ہئیت کی تبدیلی ہی میں مضمر نہیں بلکہ اس نے اسے کئی اور حوالوں سے بھی اپنی شاعری میں منکشف کیا ہے ۔ علاوہ ازیں اس کے کلام میں صنعتوں کا اس قدر وافر اور لائق قدر خزانہ موجود ہے کہ جس کی مثال پورے ادب میں شاید اور کہیں نہیں ملتی ۔ یہاں اس امر کی جانب اشارہ کر دینا بھی ضروری ہے کہ فرید کے یہاں صنعتوں کے استعمال میں آورد کا عمل ہرگز نہیں پایا جاتا جس سے اس کے قادر الکلام اور فطری شاعر ہونے کا پتہ چلتا ہے ۔ اس کا کلام روایت کی پاسداری اور فنی اجتہاد کا ایک ایسا خوبصورت مجموعہ ہے کہ جس پر غور کرتے ہی اس کا قاری حیران کن مسرت اور ترفع سے ہمکنار ہو جاتا ہے ۔

فرید کے درج ذیل کلام سے ایک طرف تو فرید کی جانب سے کافی کے سلسلے میں کئے جانے والے ہئیت کے کچھ تجربات کی نشاندہی ہوتی ہے اور دوسری طرف اس نے اپنے کلام میں صنعتوں ، اوزان اور بحور کا جس چابکدستی سے استعمال کیا ہے اس سے اس کا تخلیقی صلاحیت کے ساتھ ساتھ فن کی روایت سے وابستگی کا پورا ثبوت مہیا ہوتا ہے ۔

فرید کا سرائیکی کلام زیادہ تر کافیوں پر ہی مشتمل ہے ۔ کافی کی روایتی ہئیت کچھ اس طرح ہے کہ کافی کا مطلع صرف ایک مصرعے یا ایک شعر پر مشتمل ہوتا ہے اور باقی کافی تین یا چار مصرعوں کے ایسے بندوں پر مشتمل ہوتی ہے جس کے پہلے دو یا تین مصرعے ہم قافیہ وہم ردیف ہوتے ہیں اور آخری مصرعہ مطلع کا ہم قافیہ و ہم ردیف ہوتا ہے ۔ اسی طرح کافی کی ہئیت کے سلسلے میں یہ روایت بھی موجود ہے کہ وہ اردو اور فارسی غزل کی طرح ہم قافیہ و ہم ردیف اشعار پر مشتمل ہوتی ہے ۔ فرید نے اس سلسلے میں مذکورہ بالا روایات کو اس طرح نبھایا ہے ۔

اج سانولڑے مکلایا
سہار ڈکھاں دا چایا

لیہ قبلہ اقدس عالی ہر عیب کنوں ہے خالی
اتھ عبد عبید سوالی جیں جو منگیا سو پایا

♦♦♦♦

رتھ دھمیں دھمیں نور

میڈا دستہ زرم کرور دا — متاں ونگیں لگم نکور

رتھ تے بھندی وڑک نہ سہندی — ہم طبع ہم زور

روز ازل دی پاتم بگل وچ — برہوں تیڈے دی ڈور

••••

چوڑا انا ڈے جیسلمیر دا

سوہا رنگا ڈے خاص اجمیر دا

ہووے اصلی خاص مزیجہ — ناں نقلی دل پھیر دا

برہوں دا چوڑا پریت دا سوہا — کاک ندی دے گھیر دا

••••

اس کافی میں تلمیح موجود ہے ۔ کاک ندی کی تلمیح سے مومل مہندھرا کی رومانوی داستان سامنے آتی ہے ۔ کاک ندی صحرائے راجپوتانہ کی وہ افسانوی ندی ہے جس کے کنارے مشہور رومانوی کردار مومل مہندھرا کے محلات تھے ۔

مندرجہ ذیل کلام ایک ایسی کافی سے لیا گیا ہے جس میں کافی کا روایتی مطلع موجود نہیں بلکہ اس پوری کافی کا جو اٹھائیس مصرعوں پر مشتمل ہے ، ہر مصرعہ ہم قافیہ ہے ۔ اس کافی میں داخلی قوافی کے انوکھے اور حیران کن نظام کے علاوہ ایک مصرعے میں صنعت مراعات النظیر بھی موجود ہے ۔

نیڑا لانوݨ حال ونجاوݨ — مٹھے پور پرائے

مہنیں کھاندی سٹھڑیں سہندی — دلڑی چا برمائے

سرخیں مہندیں تنگ تلوئیں — پھکڑے رنگ ڈکھائے

چولی چنڑی سوزوں بھنڑی — آس نہ ہنڑی ہائے

••••

سی کرہوں قطار کیچ ہنجوں ہنڑ ہنڑ وے
جھاگ جبل تھل یار نال پنل بنڑ تنڑ وے

پلڑے ڈوہ گناہ نہ میڈے وے   ہے وے بروچل یار مفت کیتو انڑ بنڑ وے
کیڈے کچل مسانگ گیوسے وے   کیڈے ہار سنگار ، بجھنیاں دی گھمنڑ گھمنڑ وے

♦♦♦♦

یہ کافی اردو اور فارسی غزل کے انداز میں کہی گئی ہے جس میں مطلع اور مقطع بھی موجود ہے ۔ اس کا ہر شعر غزل ہی کی طرح ہم قافیہ و ہم ردیف ہے ۔ یہ کافی آٹھ اشعار پر مشتمل ہے ۔ اس کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں از اول تا آخر مطلع کے ساتھ ساتھ ہر شعر میں صنعت ذوقافیتین موجود ہے ۔ علاوہ ازیں دیئے گئے آخری شعر میں صنعت مراعات النظیر بھی دیکھی جا سکتی ہے اور یہ کافی دیکھئے ۔

روہی وٹھڑی ٹوبھا تار وے   آ مل توں سینگا یار وے
تھئے تھلڑے باغ بہار وے   چودھار گل گلزار وے
کتھے چنگیں دے جھنکار وے   کتھے مٹیاں دے گھبکار وے
ڈیہہ رات مینگھ ملہار وے   وچھ پکھیاں دے چوہکار وے
کتھے گاج دے دھدکار وے   کتھے گھمنڑ دے لسکار وے
پئے نہندے ہار سنگار وے   سرخی تے کجلہ دھار وے
آئے سکھ سہاگ دے وار وے   گئے ڈکھ دی آر دے پار وے
سینگیاں وسن گھر بار وے   لا گل سمن دلدار وے
ہک میں رلی اواسار وے   ڈکھ سول نال وپار وے
توں بن فرید خوار وے   رت ہنجڑوں روونڑ کار وے
ول جلدی موڑ مہار وے   نہ تاں مر ویساں وار و وار وے

♦♦♦♦

یہ کافی گیارہ مصرعوں پر مشتمل ہے ۔ اگر ان مصرعوں کو دو ٹکڑوں میں تقسیم

کر کے انہیں ایک شعر کے دو مصرعے تسلیم کر لیا جائے تو بھی بات سمجھ میں آتی ہے لیکن آگے چل کر حیرت ہوتی ہے کہ فرید نے اپنا تخلص آخری شعر میں استعمال کر کے اسے مقطع کی صورت دینے کی بجائے اس سے پہلے والے شعر میں استعمال کر دیا ہے۔ اگر اس کافی کے دو مصرعوں کو ایک شعر قرار دیا جائے تو پھر یہ کافی ساڑھے پانچ اشعار کی ہو جاتی ہے۔ اس طرح فرید نے اس کافی میں بیک وقت کئی تجربات کئے ہیں۔ اس کافی کی ایک اور خاص بات یہ بھی ہے کہ اس کے ہر مصرعے میں دو قافیے استعمال ہوئے ہیں اور پوری کافی کا ہر مصرعہ نہ صرف دو قوافی کا حامل ہے بلکہ ہم قافیہ و ہم ردیف بھی ہے۔ اس کافی میں دیگر کئی صنعتیں بھی اپنا حسن دکھاتی ہوئی نظر آتی ہیں۔ کلام فرید میں اس طرح کی اور بھی کئی کافیاں ہیں جو ایک معمولی تبدیلی کے ساتھ ایک انوکھے انداز سے اپنے قاری کے ذہن و دل پر اثر کرتی ہیں۔

چوڑے بیڑے کیتوں پانواں ڑی پانواں
میڈا یار گیا ملیر تے

ڈے کر کوڑیاں آس امیداں — تھورے چاڑھ ڈکھانواں ڑی ڈکھانواں
ہیں ڈکھڑے دل دلگیر تے

یار نہ آوے، کجھ نہ بھاوے — بھینٹیں کوں نت تانواں ڑی تانواں
تھیواں کاوڑ ماہ ہیو ویر تے

****

یہ کافی بھی اپنے اندر انوکھے انداز سمیٹے ہوئے ہے۔ اس کا روایتی مطلع دو مختلف اوزان کے مصرعوں پر مشتمل ہے جن کے قوافی اور ردیفیں بھی مختلف ہیں۔ اس کافی کا ہر بند تین مصرعوں پر مشتمل ہے جس کا پہلا مصرعہ قافیہ اور ردیف سے آزاد ہے اور اس کا وزن بھی مختلف ہے یعنی فعلن، فعلن، فعلن فعلن اس کا وزن ہے۔ بند کا دوسرا مصرعہ مطلع کے پہلے مصرعے کا ہم وزن، ہم قافیہ و ہم ردیف ہے جس میں قافیے کو دہرایا بھی گیا ہے جس سے موسیقیت میں بے حد اضافہ ہو گیا ہے۔ بند کا تیسرا مصرعہ مطلع کے دوسرے مصرعے کا ہم قافیہ، ہم ردیف و ہم وزن ہے۔ اس طرح اس کافی میں

فرید نے اپنی تخلیقی صلاحیت کے اظہار کے ساتھ ساتھ روایت کا بھرم بھی رکھا ہے جس سے اس کی فطری و فنی استعداد و استطاعت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

فرید کا سارا کلام اسی طرح کی خوبیوں اور انوکھی جدتوں کی طرف ہماری توجہ مبذول کراتا ہے جو اس کے مطالعے کے دوران ہمارے سامنے آتی ہیں۔ یہ وہی خوبیاں اور جدتیں ہیں جن کے بارے میں بن جانسن اپنے تنقیدی اشارات میں واضح طور پر کہتا ہے کہ یہی اعلیٰ و ارفع شاعری کی ضرورت ہیں۔ جس شاعری میں اس ضرورت کا خیال نہ رکھا گیا ہو، بن جانسن ایسی شاعری کو اعلیٰ و ارفع شاعری کی فہرست میں شامل نہیں کرتا۔ اس طرح فرید کی شاعری کے جائزے کے بعد ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ بن جانسن کی طرف سے اعلیٰ و ارفع شاعری کے لئے مقرر کئے گئے معیارات کی بطریق احسن تکمیل کرتا ہے۔

♦♦♦♦

فرید اور جان ڈرائیڈن

جان ڈرائیڈن کو انگریزی تنقید کے نہایت اہم ناقدین میں شمار کیا جاتا ہے۔ ایک رائے کے مطابق اسے انگریزی تنقید کا اولیں مستند نقاد یا با الفاظ دیگر باوا آدم کہنا چاہیئے۔ ہرچند اس سے پہلے بھی کئی انگریز نقاد فن نقد میں اپنا اہم کردار ادا کر چکے تھے لیکن " An Essay on Dramatic Poesie " یعنی " ڈرامائی شاعری پر ایک مضمون " ایک ایسا مضمون ہے جسے ڈرائیڈن کا بہت بڑا ادبی کارنامہ سمجھا جاتا ہے اور جس نے ماضی کے انگریز ناقدین سے اسے واضح طور پر افضل منوایا۔

جان ڈرائیڈن سے پہلے انگریزی میں منظم طور پر تنقیدی اصول نہیں ملتے۔ یہ ڈرائیڈن کا کارنامہ ہے کہ اس نے تنقید کے مروجہ اصولوں پر سنجیدگی سے غور کیا اور اپنے تنقیدی خیالات کو بے حد ترتیب، تنظیم اور ضبط کے ساتھ پیش کیا۔ یہ درست ہے کہ اس کے مشہور زمانہ مضمون میں صرف ڈرامائی شاعری پر بات کی گئی ہے لیکن اس کے ان خیالات کا پوری شاعری پر اطلاق ہوتا ہے۔ ڈرائیڈن کی تنقیدی صلاحیت میں اس کی جس خوبی نے اعتبار پیدا کیا وہ اس کا اپنا نامور ادیب اور شاعر ہونا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہم اس کے تنقیدی نظریات کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں اس کی استدلالی قوت اور تنقیدی شعور بہت متاثر کرتا ہے۔

ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ ڈرائیڈن نے قدیم ناقدین کے افکار و خیالات سے استفادہ نہیں کیا لیکن ہمیں یہ ضرور تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ اس نے اس استفادے کو جس موثر انداز میں جدت کے ساتھ پیش کیا اس نے اسے بطور نقاد عظیم کر کے اس کی تمام دوسری حیثیتوں کو ثانوی اہمیت کا حامل بنا دیا۔ اس نے شاعری کے منصب اور مقصد پر بحث کرتے ہوئے " نقل " اور " درس حیات " جیسے نظریات کو قابل قدر وسعت سے ہم کنار کیا۔ یہ ایک ایسی وسعت ہے جو اس کے نظریات شاعری ہی کے مطالعے سے

سامنے آتی ہے۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ ڈرائیڈن کے تنقیدی نظریات کی ایک واضح تصویر ہمیں اس کے مضمون " ڈرامائی شاعری پر ایک مضمون " میں ہی نظر آتی ہے لیکن اس مضمون میں شامل نظریات کا مکمل اطلاق پوری شاعری پر بخوبی ہوتا ہے۔ اگر ہم مذکورہ مضمون کا مطالعہ کریں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ڈرائیڈن نے اعلیٰ و ارفع شاعری کے لئے مندرجہ ذیل ضرورتوں کا ذکر کیا ہے جن کے بغیر اس کے نزدیک کوئی شاعری اعلیٰ و ارفع شاعری کے ذیل میں نہیں آتی۔

۱۔ شاعری انسان اور اس کی زندگی کی منصفانہ اور جاندارانہ عکاسی کرتی ہے۔ شاعر کو اپنی شاعری میں نفس انسانی کی ایسی تصویر کشی کرنی چاہیئے جس کا اسلوب معیاری ہو اور جو حقیقی نظر آئے یعنی وہ اس کے جذبات وغیرہ کی حقیقی معنوں میں نمائندگی کرتی ہو۔ اس نمائندگی میں انسان کی قسمت میں پیدا ہونے والی اچھی یا بری تبدیلیوں کو اس طرح پیش کیا جائے کہ اس سے حقیقت جھلک رہی ہو۔

۲۔ اعلیٰ و ارفع شاعری کا یہ بھی ایک بنیادی وصف ہے کہ اس میں درس حیات کی صلاحیت ہوتی ہے۔ درس حیات سے محض اخلاقی درس نہیں بلکہ اس سے مراد وہ زندہ نفسیاتی حقائق بھی ہیں جن سے انسان آگاہ ہو کر خود میں ایک طرح کا اطمینان اور مسرت محسوس کرتا ہے۔

۳۔ شاعری میں مسرت بہم پہنچانے کی صلاحیت موجود ہو۔ مسرت سے مراد محض یہ نہیں کہ شاعری میں اس کے قاری یا سامع کے لئے وہ باتیں موجود ہوں جن سے وہ پہلے ہی واقف ہے اور وہ زیر نظر شاعری سے ان باتوں کو پہچان لے بلکہ اس مسرت سے یہ بھی مراد ہے کہ اس کے قاری یا سامع کے سامنے وہ باتیں بھی پیش کی جائیں جنہیں وہ پہلے سے نہیں جانتا اور اب جب یہ باتیں یا خیالات اس کے

سامنے پیش ہوئے تو اس نے انہیں مصفانہ اور درست تسلیم کیا۔
ہم اس بات کو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ شاعری سے قاری اس وقت مسرت محسوس کرتا ہے جب وہ بصیرت بخش اور بصیرت افروز ہو۔

جب ہم ڈرائیڈن کی طرف سے اعلیٰ و ارفع شاعری کے لئے مقرر کئے گئے ان معیارات کی روشنی میں کلام فرید کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں اس کی شاعری میں ان سبھی معیارات کی تکمیل کی بہترین صورت نظر آتی ہے۔ مثلاً جب ڈرائیڈن شاعری میں انسانی زندگی کی معیاری اسلوب کے ساتھ مصفانہ اور جاندارانہ عکاسی کی بات کرتا ہے تو ہمیں فرید کے یہاں یہ عمل پوری توانائی کے ساتھ وقوع پذیر ہوتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ فرید جب انسانی زندگی کی عکاسی کے عمل کو انجام دینے کا آغاز کرتا ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے حقیقت ایک واضح شکل میں ہمارے سامنے آنا شروع ہو گئی ہے۔ وہ انسانی قسمت میں اچھی یا بری تبدیلیوں کو نہایت فنکارانہ انداز میں عیاں کرتا ہے جس سے یہ تبدیلیاں حقیقت کا روپ دھار کر احساس کو مثبت انداز میں متاثر کرتی ہیں۔ وہ غم و نشاط کی تفریق میں بہت احتیاط سے کام لیتا ہے تاکہ ان کے درمیانی پائے جانے والے فرق کی وضاحت ہو سکے اور انسانی زندگی پر اس کے جو دو مختلف اثرات مرتب ہوتے ہیں وہ واضح ہو کر ہر طرح کے ابہام کا خاتمہ کر دیں۔

فرید کا انسانی زندگی کے بارے میں مطالعہ نہایت وسیع اور مشاہدہ بے حد گہرا ہے۔ اس نے اس مطالعے اور مشاہدے میں بہت ریاضت سے کام لیا ہے۔ اسی لئے جب وہ انسانی زندگی کے کسی پہلو پر بات کرتا ہے تو اس بات سے اعتماد کا بھرپور رنگ جھلکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کی شاعری میں انسانی زندگی کی عکاسی نہایت جاندارانہ اور مصفانہ انداز اختیار کئے ہوئے ہے۔ فرید کا اسلوب شاعری اچھوتا اور باوقار ہے۔ وہ زندگی کی عکاسی میں دکھ سکھ اور اس کے سبھی پہلوؤں پر گہری نظر رکھتا ہے اسی لئے اس کی شاعری ایک ایسے منظر نامے کے طور پر ہمارے سامنے آتی ہے جس کا پس منظر اور پیش منظر نہایت واضح ہے۔

موتجھ مزید شدید ہمیشہ ، دلبر ڈاڈے روے
بھل گئے سرتی کھلے ساکوں ہجر کنوں تن کولے
کپڑے میلے لیر کتیراں ، بھل گئے یار چھولے
یار فرید چا گل آ لاوے ، بھنے نہ ساڈے بھولے

◆◆◆◆

آ مل ماہی میں مندی ہاں
بے وس برہوں دی بندی ہاں
عشق اوڑے دشمن ورھے — سس نناں کرم بکھیڑے
اجڑی جڑ جڑ لاوم جھیڑے — بابل ور نہ بھاندی ہاں

◆◆◆◆

نینھ لایم کارن سکھ دے میاں
پئے پلڑے ڈوڑے ڈکھ دے میاں
نہ خواہش دنیا دولت دی — نہ شاہی شوکت صولت دی
ہے ہک دیدار دی بکھ دے میاں

◆◆◆◆

اج کل اکھ پھرکندی ہے
کئی خبر وصال دی آندی ہے
وقت ملن دی موسم آئی — لذت روز بروز سوائی
خوشیاں کردی ماہ وہ چائی — کیا بردی کیا باندی ہے
درد الم برباد تھیوے — جنگل بیلہ شاد تھیوے
ویرانہ آباد تھیوے — فرحت مول نہ جاندی ہے

◆◆◆◆

اللہ میلے دل سنگ یارا
بروی توں دلبر دی
ناز نزاکت ، حسن ملاحت کیا چالیں کیا ڈھنگ یارا
سوہنی طرح نظر دی

◆◆◆◆

آئے مست بہاڑے ساون دے
وہ ساون دے من بھاون دے
بدلے پورب ماڑ ڈھکن دے کھلے ، بھورے سوسوون دے
چارے طرفوں زور پون دے سارے جوڑ وساون دے

◆◆◆◆

ڈرائیڈن شاعری کے لئے جو دوسری اہم ضرورت وضع کرتا ہے وہ یہ ہے کہ اس میں درس حیات کی صلاحیت موجود ہو ۔ درس حیات سے مراد یہ نہیں کہ اس میں صرف اخلاقی پہلو ہی کو پیش نظر رکھا جائے بلکہ اس سے مراد یہ بھی ہے کہ شاعری میں ایسی باتیں بھی شامل ہوں جن کے ابلاغ پر قاری یا سامع اطمینان محسوس کر سکے ۔ قاری یا سامع کسی فن پارے کو پڑھ یا سن کر اس وقت اطمینان محسوس کرتا ہے جب اس فن پارے میں بیان کی گئی باتوں سے اس بات کی تصدیق ہو کہ وہ جیسا جانتا ہے یا سوچتا ہے، وہ درست ہے یا پھر اس فن پارے میں ایسی باتیں بیان کی گئی ہوں جنہیں پڑھ یا سن کر وہ یہ محسوس کرے کہ یہ باتیں درست ہیں اور انہیں ایسا ہی ہونا چاہئے تھا ۔ اس تفہیم کے بعد قاری یا سامع کا منصفانہ انداز ہی تخلیق کار کے فن پارے کو منصفانہ فن پارے کی سطح پر لے آتا ہے ۔

جب ہم کلام فرید کا ڈرائیڈن کے ان خیالات کے آئینے میں جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ کلام فرید ڈرائیڈن کی طرف سے اعلیٰ و ارفع شاعری کے لئے بیان کئے گئے اس معیار پر حیران کن حد تک پورا اترتا ہے ۔

جیوݨ ڈینھ اڈھائی وو یار
سٹ گھت فخر وڈائی وو یار
جوبن ساتھی چار ڈینھاں دا — جھٹ پٹ ضعف بڈھیپا آندا
کوڑی آس پرائی وو یار
کوڑی صحبت ، کوڑی سنگت — کوڑے نخرے ، کوڑی رنگت
لپ دھوڑی پک چھائی وو یار

◆◆◆◆

عشق مجازی ، دل دی بازی رووݨ ہر ہر دم ، بیا کیا کے
سوز جگر وچ بھا بھڑکاوے کھاواں سو سو غم ، بیا کیا کے
دھتواں لالاں یار دے ورتے گالݨ پڑ تے چم ، بیا کیا کے
آکھ فرید میں جوگݨ بݨ کے پھرساں اجھے لے ، بیا کیا کے

◆◆◆◆

سب سر اسرار قدم دا ہے
اتھ دخل نہ محض عدم دا ہے
دلڑی سگھڑ سچاݨ سیاݨی — آکھے ہر دم سمجھ بلیاݨی
مظہر ذات صمد دا جاݨی — تونڑے روپ صنم دا ہے
سینہ صاف سفا بے کینہ — نور حقیقی دا آئینہ
دلڑی خاص پاک نگینہ — نقشہ بیت حرم دا ہے

◆◆◆◆

جگ وہم خیال تے خواب ہے
سب صورت نقش بر آب ہے
جے سمجھدیں حال حقیقت — سݨ سمجھ اتے رکھ عبرت

جیویں بحر محیط ہے وحدت   کل کثرت شکل حباب وہ
دل لب بے لون مکاں دا   دل غایت اصل جہاں دا
دل مرکز زمین زماں دا   بیا کوڑ پلال حجاب وہ

◆◆◆◆

ویسوں سیج صباحیں
خالی رہسن جائیں
پکھی پردیسی ابھے سروے   ڈو ڈینھ دے خلقائیں
ملک بیگانہ دیس پرایا   کوجھیاں کوڑ بنائیں
نہ کوئی ساتھی نہ کوئی سنگتی   کیتوں درد سنائیں

◆◆◆◆

ڈرائیڈن اعلیٰ و ارفع شاعری کے لئے آخر میں جس اہم ضرورت کا ذکر کرتا ہے وہ اس کا مسرت کا حامل ہونا ہے ۔ ڈرائیڈن کے نظریہ شاعری میں جتنی اہمیت درس حیات کے عنصر کی ہے اتنی ہی اہمیت مسرت کی بھی ہے ۔ جب ہم اس کے نظریہ شاعری کے حوالے سے ان دونوں ضرورتوں کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ان دونوں کے مدارج بھی تقریباً ایک ہی جیسے رکھے ہیں ۔ ڈرائیڈن شاعری کے اسلوب کے جاندار ہونے کی بات تو کرتا ہی ہے لیکن اس کے نزدیک مسرت ایک عموی سطح سے قدرے مختلف عمل ہے جس کی وضاحت اسی کے خیال کے مطابق یوں کی جا سکتی ہے کہ شاعری سے حاصل ہونے والی مسرت میں صرف یہی مناسب نہیں کہ ہم اس حقیقت کو پہچان کر مسرور ہو جائیں جس کے بارے میں ہمیں پہلے ہی سے علم ہے بلکہ اس حقیقت کے علاوہ اگر ہمیں کسی اور بات کا شاعری کے توسط سے علم ہو تو وہ بات بھی ہمیں منصفانہ یعنی انصاف کے عین مطابق دکھائی دے ۔ ایسا صرف اسی وقت ہو سکتا ہے جب جانے پہچانے امور سے ایسا اثر ظاہر ہو کہ جس سے کچھ نئی باتیں بھی منظر عام پر آ سکیں ۔

جب ہم شاعری میں مسرت کی موجودگی کے سلسلے میں ڈرائیڈن کی طرف سے فراہم کئے گئے معیار کو پیش نظر رکھ کر کلام فرید کا مطالعہ کرتے ہیں تو فرید ہمیں کہیں

بھی مایوس نہیں کرتا۔ اس کی شاعری کے مطالعے کے بعد یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہم نہ صرف ایسی انوکھی مگر جانی پہچانی راہوں پر چل رہے ہیں جن کی خوبصورتی ہمیں بے حد مسرور کر رہی ہے بلکہ ہم ایک ایسی نا معلوم منزل کی طرف بھی بڑھ رہے ہیں جس کی طرف جانے والے سبھی راستے سیدھے، سچے اور صاف ہیں اور جو بذات خود بصیرت بخش اور بصیرت افروز ہے۔

انہد مرلی شور مچایا
گر نے پورے بھید بتائے عقل فکر سب فہم گمائے
مدہوشی وچ ہوش سکھائے سارا سفر عروج سکھایا

◆◆◆◆

چوڑا اناڑے جیسلمیر دا
سوہا رنگا ڈے خاص اجمیر دا
ہووے اصلی خاص طریقہ ہاں نقلی ول پھیر دا
جلدی آوے نہ چڑھاوے کم نہیں اتھہ دیر دا
برہوں دا چوڑا پریت دا سوہا کاک ندی دے گھیر دا
بچھوا پیکاپیری گھنساں بجڑے کھبڑے بیر دا
سگوں پیساں پا ٹھنکیاں تھورا چیساں بڑے دا

◆◆◆◆

عشق لگا گھر وسریا
زر وسری در وسریا
گذرے ناز حسن دے ماڑے زیور تریور وسریا
وسرے کجلے سرخیاں مہندیاں بولا بینسر وسریا
در، کنشت، دوارہ، مندر مسجد منبر وسریا

ہر ویلے ہر یاد اساں توں ہور اماں ہر وسریا
ویساں کیچ فرید نہ مڑساں سیج بر دا ہڑ وسریا

◆◆◆◆

دل دردوں ہن ہاری وو یار
دل کریں ہا کاری وو یار
زلف سیاہ تھی ناگ وراوھے ڈنگ مریندے کاری وو یار
لوں لوں سیڑھیاں جاری وو یار
سک مینوال دی لوڑھ لڑھایم میں مٹھڑی من تاری وو یار
کوجھی رات اندھاری وو یار

◆◆◆◆

گذر گئی گذران ، غم دے سانگ رلیوسے
ڈکھڑا جل جہان ، نہ کجھ پلڑے پیوسے
لائوس لسندیں پیوم وچھوڑا کھارے چڑھدیں آیم دھوڑا
مہندی سرخی بان ، نیلا رنگ ولیوسے
کر کر یاد فرید سجن کوں لاگی رونواں ہک ہک ون کوں
جان جگر وچ کان ، جانی جوڑ مریوسے

فرید کی شاعری کا ہر مصرعہ اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ اس کا تخلیق کار شاعری کی سبھی ضرورتوں سے پوری طرح باخبر ہے ۔ وہ ایک ایسا شاعر ہے جو شاعری کے تمام محاسن پر پوری نظر رکھتا ہے اور ایسا کرتے ہوئے وہ کہیں آورد یا تصنع کے رنگ کو اپنے کلام میں شامل نہیں ہونے دیتا ۔ وہ شاعری کے گھسے بندھے اصولوں کی پاسداری کرنے کے ساتھ ساتھ مختلف قسم کے ایسے تجربات کرتا ہے کہ اس کی قادرالکلامی کو تسلیم کرنا ہی پڑتا ہے ۔ وہ ان تجربات میں اپنی تخلیقی صلاحیت کے اظہار کے علاوہ گہرے مشاہدے اور وسیع مطالعے کی سبھی خوبیوں کو اپنے ساتھ رکھتا ہے ۔ اسے اپنے جاندار اسلوب پر مکمل گرفت حاصل ہے اور اس کا یہ انداز پورے ادب میں منفرد اور یگانہ ہے ۔ وہ زندگی کے ہر

پہلو کی اس طرح عکاسی کرتا ہے کہ اس کے اسرار و رموز مجسم ہو کر سامنے آ جاتے ہیں۔ وہ اپنے قاری اور سامع کے لئے درس حیات کا انوکھا اور متاثر کرنے والا انداز اختیار کرتا ہے اور اسے اپنے کلام میں پائے جانے والے غم و اندوہ اور مسرت کے جذبوں سے اس طرح ہمکنار کرتا ہے کہ یہ عمل قاری اور سامع کے لئے مسرت افروز، بصیرت بخش اور بصیرت افروز بن جاتا ہے۔ اس طرح وہ اعلیٰ و ارفع شاعری کے لئے ڈرائیڈن کی طرف سے دیئے ہوئے معیارات کی مکمل فن کارانہ انداز میں تکمیل کرتا ہے۔

••••

فرید اور ورڈز ورتھ

تین ساڑھے تین سو سال ادھر کی بات ہے جب شعر و ادب سمیت زندگی کے تقریباً سبھی شعبوں پر فلسفے کی حکمرانی کا دور شروع ہوا ۔ یہ وہ دور ہے کہ جب زندگی کے کسی بھی پہلو پر بات ہوتی تو یہ طویل بحث کی صورت اختیار کر لیتی اور پھر اس بحث میں سے ایسے ایسے نکات منظر عام پر آتے کہ عقل دنگ رہ جاتی ۔ ان مباحث کا اور کوئی فائدہ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو لیکن یہ بات تسلیم کرنی چاہیئے کہ اس سے ادب اور اس کی ماہیت کو سمجھنے کے نئے انداز وجود میں آئے ۔ شعر و ادب پر فلسفے کی حکمرانی کا یہ دور جان ڈرائیڈن کے بعد شروع ہوتا ہے اور یہ سلسلہ تقریباً ورڈز ورتھ تک جاری رہتا ہے ۔

ورڈز ورتھ کئی لحاظ سے ایک اہم ادبی حوالہ ہے ۔ وہ بذات خود ایک بڑا شاعر ہے اور شاعری کے ساتھ ساتھ اس کے لئے بہت واضح نظریات بھی رکھتا ہے ۔ وہ شاعری میں بناوٹ اور تصنع کے عمل سے کھلے طور پر نفرت کا اظہار کرتا ہے اور شدید جذبات کے بے ساختہ اظہار پر زور دیتا ہے ۔ اس کا یہ نظریہ ایک ادبی اصول کی شکل میں " LYRICAL BALLADS " کے دیباچے میں موجود ہے جس کی اساس پر وہ جذبات اور احساسات کی عمارت کھڑی کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے ۔ وہ اپنے جذبات اور احساسات کے اظہار کے لئے سادگی پر زور دیتا ہے اور رسمی طور پر صنائع بدائع کے استعمال سے بچنے کی ترغیب دیتا ہے ۔ وہ شاعر سے توقع کرتا ہے کہ وہ اپنے کلام کے ذریعے اپنے قاری یا سامع میں ایسا ذوق اجاگر کرے کہ وہ کسی فن پارے کی تحسین کرنے کے قابل ہو جائے اور پھر اس سے لطف بھی اٹھا سکے ۔ وہ شعری زبان کے بارے میں بھی ایک واضح بات کرتا ہے ۔ وہ کہتا ہے کہ شعر کی زبان وہی ہونی چاہیئے جس میں گفتگو کرتے ہیں تا کہ جذبات کا اظہار فطری اور پر خلوص ہو ۔ اس طرح وہ اعلیٰ و ارفع شاعری کے لئے کئی اہم ضرورتوں کی طرف اشارہ کرتا ہے ۔ یہ ضرورتیں مندرجہ ذیل ہیں ۔

۱۔ ورڈز ورتھ شاعری کو ہر قسم کی بناوٹ اور تصنع سے پاک دیکھنا چاہتا ہے ۔ وہ اعلیٰ و ارفع شاعری کے لئے سادگی کو بے حد ضروری سمجھتا ہے ۔ وہ صنائع بدائع کے استعمال کے خلاف نہیں لیکن وہ واضح طور پر کہتا ہے کہ صنائع بدائع کا رسمی استعمال شاعری کو بوجھل کر دیتا ہے اس لئے وہ زبان اور جذبات دونوں کے لئے سادگی کے پیمانے کو اولین اہمیت دیتا ہے۔ اس کے نزدیک شاعری کا فطرت سے ہم آہنگ ہونا بے حد ضروری ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب شاعری کا موضوع سادہ لوگ اور زبان سادہ ہو ۔ وہ شاعر اور غیر شاعر کی پہچان کے لئے بھی اسی بات کو معیار کا درجہ دیتا ہے ۔ وہ کہتا ہے کہ شاعر سادہ زبان کے باوقار استعمال اور سادہ جذبات کے فنکارانہ اظہار کی صلاحیت رکھتا ہے جبکہ غیر شاعر میں اس صلاحیت کے فقدان کے باعث سادگی پستی کا نشان بن جاتی ہے ۔

۲۔ اعلیٰ و ارفع شاعری صرف مسرت ہی مہیا نہیں کرتی بلکہ حصول علم کے لئے بھی بنیاد فراہم کرتی ہے ۔ اس کے نزدیک شاعری ایک لطیف طریقے سے اپنے قاری یا سامع کو علم مہیا کرتی ہے ۔ وہ شاعری کو علم کی " روح لطیف " قرار دیتا ہے ۔

۳۔ وہ شاعری کے لئے تخیل کی بلندی کو بہت زیادہ اہم قرار دیتا ہے اور توقع کرتا ہے کہ شاعر اپنے تخیل کی قوت سے زندگی کے عام موضوعات کو شعری موضوع کا منصب عطا کرے ۔

۴۔ ورڈز ورتھ شاعری سے انسانی محبت میں اضافے کی صورت تلاش کرتا ہے ۔ اس کے نزدیک انسان اور فطرت کی ہم آہنگی سے انسانوں کے مابین محبت کو فروغ ملنا چاہیئے یعنی وہ شاعری کو درس محبت کا ایک ذریعہ بھی سمجھتا ہے ۔ وہ شاعر کو انسانی فطرت کا محافظ سمجھتے ہوئے اس سے توقع کرتا ہے کہ وہ انسانی رابطوں اور محبت کو فروغ

دینے کا فریضہ سرانجام دے۔

۵۔ وہ اعلیٰ و ارفع شاعری کے لئے صداقت کو بھی ایک اہم ضرورت سمجھتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ شاعر کو اپنے جذبات کی جیتی جاگتی تصویر سچائی کے ساتھ کھینچنی چاہیئے۔

۶۔ وہ شاعری کے لئے وزن اور بحر کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے کیونکہ اس کے خیال میں ان سے جمالیاتی تسکین اور مسرت حاصل ہوتی ہے۔

۷۔ ورڈزورتھ شاعری کو ایک جذبے کے طور پر دیکھتا ہے جس پر پرسکون لمحات گذر چکے ہوں۔

۸۔ وہ اس شاعر کو کمال فن کے درجے پر فائز کرتا ہے جو انسانی دل میں موجود جذبات اور فطرت کے مابین پائے جانے والے تعلق کو واضح کرے اور اس تعلق کا موزوں ترین الفاظ اور عمدہ مثالوں سے اظہار کرے۔

کلام فرید کے مطالعے سے اس بات کا بھرپور ثبوت مہیا ہوتا ہے کہ اس میں از اول تا آخر کہیں بھی بناوٹ کا عنصر شامل نہیں۔ اس کی زبان نہایت سادہ اور پر اثر ہے جس میں ہر چند صنائع بدائع کا استعمال تو ہوا ہے لیکن یہ استعمال رسمی نہیں بلکہ اس سے اس کے کلام کی حیثیت اور وقعت میں بے حد اضافہ ہو گیا ہے۔ اس کے کلام میں ایسی روانی ہے کہ اس نے جہاں ایک طرف شاعر کے قادر الکلام ہونے کا عمدہ ثبوت مہیا کیا ہے وہاں دوسری طرف اسے آورد کی تہمت سے بھی بچا لیا ہے۔ فرید کی شاعری فطرت سے ہم آہنگ ہو کر اپنے قاری یا سامع کو ایک عجیب لذت اور کیفیت سے ہمکنار کر دیتی ہے۔ وہ اپنے ہر موضوع کو سادہ زبان میں بیان کرنے کی مکمل صلاحیت سے فطری طور پر سرفراز ہے۔ وہ سادہ لوگوں کو اپنی شاعری کا موضوع بنا کر اس کے لئے سادہ زبان ایسے وقار کے ساتھ استعمال کرتا ہے کہ حیرت ہوتی ہے۔ بناوٹ سے پاک سادگی کے چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

وچ روہی دے رہندیاں
نازک نازو جٹیاں

راتیں کرن شکار دلیں دے ڈینہاں ولوڑن مٹیاں
چھیڑن بھیڈاں بکریاں گائیں لیلے ، گابے ، کٹیاں

◆◆◆◆

سوہنا بیلہ ، ساوے تھلڑے رانجھے دی جاگیرے
منجھیں کٹیاں کون چراوے نظر تیڈی اکیرے
مٹیاں کھیر ولوڑے کیویں ، تیں بن ہیر زہیرے
دل یار فرید ہجر نہیں سہندی ہیر دی کیا تقصیرے

◆◆◆◆

آ چنوں رل یار ، پیلوں پکیاں نی وے
کئی بگڑیاں کئی ساویاں پیلیاں کئی بھوریاں کئی پھکڑیاں نیلیاں
کئی اودیاں گلنار ، کٹویاں رتیاں نی وے
آیاں پیلوں چنڑ دے ساگے اوڑک تھیاں فریدڑ واگے
چھوڑ آرام قرار ، پکیاں پکیاں نی وے

◆◆◆◆

ڈھولڑ تیڈی سک ڈھیر ہم تانگھاں گھنڑیاں چائیں ہوں
کپ کپ کراں آہیں ہوں تپ تپ اٹھن بھاہیں ہوں
لگا سخت ڈکھڑا روگ ہے بے پیر دل نوں جوگ ہے
تئی پی بھوگیندی بھوگ ہے رو رو کرے دھانہیں ہوں

◆◆◆◆

آپے یار محبت چایم نی
وچ آپ کوں آپ ونجایم نی

سوہنا ہوت پنل چھنڈ کیچ گیا گل سوز فراق دا بیچ پیا
جو لکھیا پلڑے پایم ٹری

◆◆◆◆

تانگھ پنل دل جیندی ہے
سانوں ہک پل رہن نہ ڈیندی ہے
موڑھ نہ لیندے سکے بھائی میںنڈے بڑوے ماء پیو جائی
خویش قبیلے کرن لڑائی سس ننان مریندی ہے

ورڈز ورتھ اعلیٰ و ارفع شاعری سے جہاں یہ توقع کرتا ہے کہ وہ مسرت بہم پہنچانے والی ہو وہاں وہ اس سے یہ مطالبہ بھی کرتا ہے کہ وہ حصول علم کا ذریعہ ہو ۔ وہ اپنے قاری یا سامع کو علم کی ایسی بنیاد فراہم کرے کہ اس پر روشنی کے دروازے کھلنے لگیں ۔ انسان کی فطرت ہے کہ وہ معلوم سے نہ معلوم کا سفر کرنے میں ایک انوکھی لذت اور مسرت محسوس کرتا ہے ۔ ورڈز ورتھ بھی کسی فن پارے سے یہی امید رکھتا ہے کہ اس میں مسرت کا عنصر اس طرح داخل ہو کہ یہ مسرت علم ہی کے حوالے سے میسر آئے ۔

کلام فرید کا مطالعہ واضح طور پر ہمیں احساس دلاتا ہے کہ اس میں علم کا ایک ایسا دریا موجزن ہے جو ہماری زندگی کے تمام پہلوؤں کی طرف ہماری رہنمائی کرتا ہے ۔ یہ اپنے قاری کو نا معلوم کی حد سے نکال کر علم کی حدوں میں لے آتا ہے اور اس عمل میں اسے ایک ایسی مسرت میسر آتی ہے جس کی روشنی میں اس پر ایک الگ ، عجیب اور پر کیف و سرور دنیا منکشف ہونے لگتی ہے ۔ فرید نے اظہار کا ایک اچھوتا انداز ایجاد کیا ہے جو صرف اسی کا حصہ ہے ۔ اس کے کلام کی دیگر خصوصیات کو ایک طرف رکھ کر صرف اس کے اسلوب ہی کو اگر توجہ اور گہری نظر سے دیکھتے ہوئے اس کی شاعری میں موجود داخلی ترتیب کا جائزہ لیا جائے تو ذہن و دل میں ایک عجیب مسرت در آتی ہے جس کے زیر اثر قاری محسوس کرتا ہے کہ وہ بہت تیزی سے ایک ایسے نامعلوم کی طرف بڑھ رہا ہے جو آخر کار اس کے علم کا حصہ بن جاتا ہے ۔

ڈٹھا عشق عیاں تا بازار بگی
سبھی رمز خفی ہن تفہیم جلی

سبھو جلوہ نور ظہور ڈسے   یا ایمن تے یا طور ڈسے
کہیں غیبت عین حضور ڈسے   دل ونج دلبر دے ساتھ رلی
ہے کشف کمال دی بات عجب   ہے وجد تے حال دی گھات عجب
ہے وصل وصال دی رات عجب   مٹھی غیر دی ذات صفات جلی

◆◆◆◆

تتا عشق بھوں گدزیوسے
ایہو قہر نہ پیش ایوسے

ہنجڑوں ہاراں ، واٹ نہاراں   بیٹھی کاگ اڈاراں
جان جگر ہے جیندا ورا   تتا چھوڑ گیوسے
ہیت پرائی من نوں بھائی   لذت بہت ڈکھالی
مثل سمندر آتش اندر   سو سو عیش لدھوسے

◆◆◆◆

تو بن حضرت یار
ہر دم پھراں حیرانی
درد فرید ہے چیز مہانگی   تھیندے ونج وپار
جندڑی کر قربانی

◆◆◆◆

جوگی توں پوتھی کھول وے
دسسی کڈاں سوہنا کول وے

زاہد وتا ہن جول وے   برہوں پتھولا بول وے
پتری پرم دی کھول وے   دلڑی اساڈڑی چول وے

◆◆◆◆

کیا تھی پیا جو تیڈی نہ بٹی
تھیسی اوپا جو رب گئی

ملاں نہیں کہیں کار دے   شیوے نہ جاٹن یار دے
سمجھن نہ بھیت اسرار دے   ونج کنڈ دے بھرنے تھئے ونٹی

◆◆◆◆

ورڈز ورتھ قوت متخیلہ کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے کہتا ہے کہ کسی تخلیق کار کے عظیم ہونے میں یہ قوت نہایت اہم کردار ادا کرتی ہے ۔ شاعر میں یہ وصف لازمی ہونا چاہیئے کہ وہ اپنے تخیل سے زندگی کے عام موضوعات سے ایسا برتاؤ کرے کہ وہ عام سطح سے بلند ہو کر واقعتاً شاعری کا موضوع بن جائیں ۔

فرید کے یہاں زندگی کے چھوٹے بڑے سبھی موضوع اس کی شاعری کا رزق بنے ہیں ۔ کلام فرید کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اس نے اپنی قوت متخیلہ کی بنیاد پر اپنی شاعری کی ایسی عمارت تعمیر کی ہے جس میں عام مواد اور موضوع بھی خاص مواد اور موضوع کے طور پر ابھر کر سامنے آیا ہے ۔ فرید کا کمال یہ ہے کہ اس نے اپنے تخیل سے ہر موضوع کو چار چاند لگا دیئے ہیں ۔ وہ تصوف کے مسائل ہوں یا زندگی کے عام معاملات ، اس کے یہاں تخیل نے سبھی کو خصوصیت اور بلندی عطا کر دی ہے ۔ کلام فرید کے ہر مصرعے میں تخیل کا اچھوتا پن اور اس کی گہرائی اپنے قاری کو حیران کر کے ایک ایسی فضا میں لے جاتی ہے جس میں وہ خود کو بلند محسوس کرنے لگتا ہے ۔ مندرجہ ذیل نمونے دیکھئے ۔

سٹ وو سیلی سنگھر سیائی
برہوں دے پدھرے سخت بعید

روونڑ پٹنڑ کو سمجھوں شادی   سیج برجھر جھنگ ہم آبادی
عشرہ محرم ساوڑی عید

سو سو چھانگاں لکھ لکھ چھیڑو   وٹھڑے دی وہ بڈیوں پندھیڑو
روہی تھئی آباد جدید

◆◆◆◆

مساگ ملیندی دا گذر گیا ڈینھ سارا
سنگھار کریندی دا گذر گیا ڈینھ سارا
کجلہ پایم ، سرخی لایم کیتم یار وسارا
کاگ اڈیندیں عمر وہائی آیا نہ یار پیارا

◆◆◆◆

ہک دم عیش دی سیجھ نہ مانیم بخت نہ ڈتڑم وارا
رانجھن میڈا ، میں رانجھن دی روز ازل دا کارا

◆◆◆◆

پردیس ڈھنوں دیداں اڑیاں وے یار
ساڈیاں وطن کنوں دلیں سٹریاں وے یار
خبر نہیں انھاں کملیاں لوکاں تیکاں تیز برہوں دیاں نوکاں
درد منداں سر کھڑیاں وے یار
کسی چایم ، نیڑا لایم جھوڑی مفت فرید گنوایم
نہ گیاں سکھ دیاں گھڑیاں وے یار

◆◆◆◆

سنج یار پرائی پیڑ وو
تھیاں اکھیاں چھل ، گی دلڑی جل
کانھ کمانے اجڑیاں جھوکاں سخت سیالیں کردیاں ٹوکاں
رہندی دل دلگیر وو
سر درد اگل ہے روگ اچھل

◆◆◆◆

مل مہینوالا ، مل مہینوال
ہر دل میں ہے تیڈڑی بھال

روز ازل دی سختی ماری   ڈاڈھڑی مول نہ قسمت واری

ماء پیو ، ویر نہ لیم سنبھال

خویش قبیلہ دشمن سارا   ہر کوئی ملدم جانڑ وچارا

برہوں اوڑا ، الٹی چال

◆◆◆◆

ہکو الف میڈوں پڑھاؤم ڑی

تی " بے ، تے " مول نہ بھاؤم ڑی

ہر چالوں ناز نواز ڈٹھے   سب حسن ازل دا راز ڈٹھے

کل عالم ، عالم ساز ڈٹھے   ہکو نور نظر وچ آئوم ڑی

◆◆◆◆

شاعر اور انسانی فطرت میں باہمی ربط کی اہمیت کو تقریباً سبھی مشاہیر ادب نے تسلیم کیا ہے ۔ ورڈزورتھ کا خیال ہے کہ شاعر انسانی فطرت کا محافظ ہے اس لئے اس کی تخلیق میں اس امر کی گنجائش بہرحال ہونی چاہیئے کہ وہ انسانی رابطوں اور محبت کے فروغ میں اہم کردار ادا کرے ۔ اس کے نزدیک ایسی شاعری جو انسانی محبت کے فروغ کی بجائے انسانوں کے مابین فاصلے پیدا کرے ، اسے کسی طرح بھی لائق تحسین نہیں گردانا جا سکتا ۔

فرید کی شاعری کا مطالعہ کرنے سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ فرید ایک انسان دوست شاعر ہے ۔ وہ ایک ایسے گھرانے سے تعلق رکھتا ہے جس کے افراد ایک مدت سے انسان کی بھلائی اور روحانی رہنمائی کا فریضہ انجام دے رہے ہیں ۔ وہ احکام الٰہی کا مکمل پابند اور ایک ایسا انسان ہے جو اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت میں پوری طرح ڈوبا ہوا ہے ۔ وہ شخص جو خدا اور رسولؐ سے ٹوٹ کر محبت کرنے والا ہو ، ایسا کیونکر ہو سکتا ہے کہ وہ اللہ کی مخلوق سے محبت نہ کرے یا اس سے محبت کا پرچار نہ کرے ۔ یہ ایک فطری بات ہے کہ انسانوں سے خود محبت کرنے والا ہمیشہ دوسروں کو بھی انسان دوستی کا درس دیتا ہے ۔ فرید کی شاعری اس کے اسی طرز عمل کی عکاسی کرتی ہے ۔

فرید نے اپنی شاعری میں جا بجا انسان دوستی کا سبق دیا ہے ۔ اس کی شاعری کے

مطالعے کے بعد اس کے قاری پر خود بخود زندگی کے وہ پہلو منکشف ہونے لگتے ہیں جن سے وہ پہلے سے واقف نہیں ہوتا ۔ یہ ایسے پہلو ہیں جن سے واقف ہو کر دل میں دنیا کی بے ثباتی کا احساس اترنے لگتا ہے جس کے نتیجے میں انسان کی خود غرضی کا رنگ ایک مکروہ صورت اختیار کر کے اس کے سامنے آ جاتا ہے ۔ ایسی صورت حال میں وہ دنیا اور دنیاداری کے سبھی غلط رویوں سے دور ہو کر ایسے راستے کا مسافر بن جاتا ہے جو اسے انسان دوستی کی روشن منزل کی طرف لے جاتا ہے ۔

فرید دنیا کو ایک خوبصورت دنیا کی صورت میں دیکھنا چاہتا ہے ۔ وہ انسانوں کو صرف اسی صورت اور حالت میں ہی دیکھنا چاہتا ہے جیسا کہ انہیں ہونا چاہیئے ۔ اسی لئے وہ ان رویوں کی نفی کرتا ہے جو انسان کو انسانیت سے دور لے جاتے ہیں ۔ وہ اپنی شاعری میں براہ راست انسان دوستی کا سبق دینے کے علاوہ اس اعلیٰ کام کے لئے ایک نہایت موثر طریقہ اختیار کرتا ہے اور وہ یہ کہ وہ انسان کو پہلے ایک صحیح انسان بننے کی طرف راغب کرتا ہے کیونکہ اس کے نزدیک اگر ایک انسان صحیح انسان بن جائے تو اس میں انسان دوستی خود بخود پیدا ہو جائے گی جس کا نتیجہ لازمی طور پر انسان دوستی کے فروغ کی صورت میں سامنے آئے گا ۔

جیوڑن ڈینہہ اڈھائی دو یار
سٹ گھت فخر وڈائی دو یار
جو بن ساتھی چار ڈینہاں دا جھٹ پٹ ضعف بڈھیپا گھدا
کوڑی آس پرائی دو یار
کوڑی صحبت ، کوڑی سنگت کوڑے نخرے کوڑی رنگت
لپ دھوڑی ہک چھائی دو یار

◆◆◆◆

بٹھ گھت کوڑ نکھڑے ، ہک حق نوں کر یاد
تھی کر گملارت پوں تے ، کر دیں دھانھ فریاد
باجھ محبت ذاتی ، کوڑا شور فساد مرشد فخر جہاں نے کیتم ایہ ارشاد

◆◆◆◆

مندرجہ ذیل اشعار میں سے دوسرا شعر فرید کے نظریہ محبت کی تشریح کرتا ہے

کہ وہ انسان کے لئے محبت کو کس حد تک ضروری سمجھتا ہے ۔ اس کے نظریئے کے مطابق جو شخص محبت کرتا ہے، وہ تو انسان ہے اور جو محبت نہیں کرتا، وہ جانوروں کے برابر ہے ۔

ذاتاً فعلاً کل شے باطل حق ہے فاعل ہیو سب عاطل
باجھ محبت جانڑ برابر کیا ناطق، کیا ناہق صاہل

◆◆◆◆

فرید ایک ایسے مکتب فکر سے تعلق رکھتا ہے جہاں عشق و محبت کو درس اول کا درجہ حاصل ہے ۔ عشق اور محبت اس کے یہاں لامحدود معنی رکھتے ہیں جنھوں نے پوری کائنات کا احاطہ کر رکھا ہے ۔ وہ انہیں خالق کائنات کے علاوہ کائنات کے ذرے ذرے میں دیکھتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس کا قاری بھی عشق اور محبت کو اسی تناظر میں دیکھے ۔ اس کے نزدیک انسان جس شے سے بھی محبت کرتا ہے، وہ درحقیقت اس شے سے نہیں بلکہ اس کے خالق یعنی خدا سے محبت کر رہا ہوتا ہے اور جب کوئی انسان دوستی کا مظاہرہ کرتا ہے تو گویا وہ خدا دوستی ہی کا عمل انجام دے رہا ہوتا ہے ۔

کیا ریت پریت سکھائی ہے
سب ڈیںدا حسن خدائی ہے
ڈیںدی یار مثل دی صورت کل تصویر اتے کل مورت
ہر ویلھے ہے شکن صورت غیر دی خبر نہ کائی ہے

◆◆◆◆

ورڈزورتھ اعلیٰ و ارفع شاعری کے لئے جس اور معیار کی بات کرتا ہے وہ ہے شاعر کا اپنے جذبات کے اظہار میں صداقت سے کام لینا ۔ اس کے نزدیک ایک بڑا شاعر اپنے جذبات کے اظہار کے لئے کسی خارجی شہادت کا محتاج نہیں ہوتا ۔ وہ جو کچھ دیکھتا یا محسوس کرتا ہے اس کی جیتی جاگتی تصویر اس طرح کھینچ دیتا ہے کہ اس پر جھوٹ کا گمان نہیں ہوتا ۔ وہ نہ تو جذبات کے اظہار میں اس طرح آگے نکل جاتا ہے کہ اس میں خارج کو شامل کر کے اس کی حقیقی تصویر کو مسخ کر دیتا ہے اور نہ ہی وہ اس کی تصویر کشی میں

اس کے حقیقی عناصر کو اس میں سے نفی کر کے اس کے ادھورے پن کا احساس دلاتا ہے۔ اس طرح ورڈزورتھ صداقت کی اہمیت کو نہایت نفیس انداز میں اجاگر کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب شاعر کے لئے صداقت کی راہ پر چلنا ضروری ٹھہرے گا تو اس کی شاعری میں جذبے کے مطابق اسلوب اور انداز کا تغیر بھی ایک طرح سے اہمیت اختیار کرلے گا بصورت دیگر ورڈزورتھ کی طرف سے صداقت کے لئے دیئے گئے معیار کا متاثر ہونا ایک لازمی امر ہے۔

ہمیں فرید کے یہاں جذبات کو صداقت کے ساتھ بیان کرنے کا نہایت موثر اور وقیع انداز نظر آتا ہے۔ فرید ایک ایسا شاعر ہے جس کے جذبات کا معیار نہایت اعلیٰ اور ان کی تصویر کشی مکمل صداقت کا نمونہ پیش کرتی ہے۔ فرید ایک قادرالکلام شاعر ہے جو الفاظ کی تمامتر سطحوں سے پوری طرح باخبر ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کس جذبے کی کن الفاظ کے ساتھ تصویر کشی کرنی ہے اسی لئے اس کے کلام میں ایک ترتیب، تسلسل اور توازن کا احساس پایا جاتا ہے۔ اس کی شاعری میں ایک مصرعہ بھی ایسا نہیں کہ جس پر انگلی رکھ کر یہ کہا جا سکے کہ فرید نے یہاں بیان کا جو انداز اختیار کیا ہے وہ جذبات کی ترجمانی میں اس کا ساتھ نہیں دے سکا۔ وہ الفاظ کا محتاج نہیں بلکہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ الفاظ اس کے محتاج ہیں۔ اسے لفظوں کا انتظار نہیں کرنا پڑتا، لفظ خود اس کے انتظار میں دکھائی دیتے ہیں اور وہ ایک لفظ شناس شاعر کی طرح انہیں نہایت معتبر اور باوقار طریقے سے اس طرح اپنی شاعری میں سموتا جاتا ہے کہ جس سے اس کے جذبات کی جیتی جاگتی تصویر انتہائی صداقت کا عنصر دامن میں سمیٹے ہمارے سامنے آن کھڑی ہوتی ہے۔

درد اندر دی پیڑ، ڈاڈھا سخت ستایا
ہجر فراق دے تیر، دل نوں مار مونجھایا
اے دل مٹھڑی گندڑی مندڑی　　　جاوݨ لادی برہوں دی بندڑی
ازلوں تانگھ دا تیر، جانی جوڑ جھمایا

◆◆◆◆

ساڈے نال سدا توں وس پیا

وس ہس رس دل کھس پیا

لانڑے پھوگ فرید سوہیساں ۔۔ سٹ گھر بار تے بار وسیساں

کرڑی تے وچ جھوکاں لیساں ۔۔ اج کل ٹوبھا وس پیا

◆◆◆◆

کیا حال سنڑاواں دل دا

کوئی محرم راز نہ ملدا

منہ دھوڑ مٹی سر پائیم ۔۔ سارا ننگ نموز ونجائیم

کوئی پچھنڑ نہ ویڑھے آئیم ۔۔ ہتھوں الٹا عالم کھلدا

◆◆◆◆

اساں کنوں دل چاوو وے یار

جاپے کتھاں وچ لاوو وے یار

میں کملی کیا جانڑاں مینھ کوں ۔۔ ظلمی نر تے قہری شینھ کوں

آپے وید اڑاوو وے یار

◆◆◆◆

وطن بیگانے دل نہیں آنڈا ۔۔ یاد کیتم دلدار

کولے رہساں مول نہ سہساں ۔۔ ہجر دا باری بار

وسریا سارا راج پہانڑاں ۔۔ وسر گیا گھر بار

◆◆◆◆

بیرنگ راول دے کیتے ۔۔ روندی وتاں رڑدی وتاں

دل سنگ ساول دے سوا ۔۔ سو سول لکھ سٹھڑیں سہاں

◆◆◆◆

دلڑی غماں دی بھینٹ ہے سولاں ڈکھاں دا ونڈ ہے
پربھت جھل چٹ ڈیرڈ ہے چاڑھیاں چڑھاں لاہیاں لہاں

◆◆◆◆

درد پئے دل چیٹے
ڈڑے یار رنجھیٹے
میں بیٹھئیں گھی عمر ، نہ آئے لائویں لہرڈ دے بیٹے
ہنجھڑیں ہیریں غم دے گانے سر سولاں دے رینٹے

◆◆◆◆

یاد آنون یار دے رلڑے
نت پون کروپ کلڑے
کیوں چڑھدی چندری کھارے کیوں کردی زیور ہارے
جے جاندی ہجر دے وارے لیہ نیڑے ہنت سولڑے

◆◆◆◆

مندرجہ بالا باتوں کے علاوہ ورڈز ورتھ وزن اور بحر کو شاعری کے لئے کئی حوالوں سے ایک مفید اور موزوں چیز قرار دیتا ہے ۔ وہ کہتا ہے کہ وزن اور بحر شعر میں خوبصورتی پیدا کرنے کے علاوہ اس میں جمالیاتی تسکین کا عنصر بھی شامل کر دیتے ہیں جس سے شعر کو پڑھ یا سن کر مسرت کا احساس اجاگر ہوتا ہے ۔

کلام فرید از اول تا آخر ورڈزورتھ کی طرف سے اعلیٰ و ارفع شاعری کے لئے بیان کئے گئے اس معیار کی بہر طور تکمیل کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے ۔ کلام فرید کے مطالعے سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ فرید نہ صرف ہندی گیتوں کی لے کو اپنی کافیوں میں استعمال کرنے کے انوکھے اور خوشگوار تجربے میں کامیاب ہوا ہے بلکہ اسے عربی ، فارسی اور سندھی عروض پر بھی مکمل عبور حاصل ہے ۔ فرید کے مطالعے سے یہ حیران کن حقیقت بھی سامنے آتی ہے کہ فرید نے روایتی اوزان سے ہٹ کر انہیں ایک نئی ترتیب سے بھی استعمال کیا ہے جس سے شعر کی موسیقیت میں اضافے کے علاوہ اس سے جمالیاتی

تسکین کا سامان بھی مہیا ہوتا ہے ۔ فرید کے کلام میں ایسے بند دیکھے جا سکتے ہیں کہ جن میں ایک مصرعے میں اگر ایک وزن استعمال کیا گیا ہے تو باقی مصرعوں میں اس سے مختلف اوزان سے کام لیا گیا ہے ۔ ایسا ایک خاص ترتیب ، منصوبہ بندی اور تنظیم سے کیا گیا ہے جس سے شعر میں اس کا تسلسل ٹوٹنے کی بجائے اس کے ترنم اور تسلسل میں روانی پیدا ہو گئی ہے ۔ ایسے بند پڑھتے ہوئے یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے مختلف خوبصورت مناظر ایک ایک کر کے ہماری آنکھوں کے سامنے آتے ہیں اور پھر ذہن پر ہمیشہ باقی رہنے والا اثر چھوڑ کر ہماری نظروں سے اوجھل ہو جاتے ہیں ۔ ایسی شاعری پڑھتے ہوئے اس کا قاری ایک خوشگوار اور پر اسرار قسم کی حیرت سے بھی ہمکنار ہوتا ہے ۔

بن گئیم برہوں تنگ سائیں
دل نال اساڈی جنگ سائیں
غمزے سخت اوڑے جھیڑے کرن بکھیڑے
نال کجھ ترس نہ سنگ سائیں

◆◆◆◆

درد اندر دی پیڑ ، ڈاڈھا سخت ستایا
ہجر فراق دے تیر ، دل نوں مار مونجھایا
عشق ہے ڈکھڑے دل دی شادی عشق ہے رہبر مرشد ہادی
عشق ہے ساڈا پیر ، جیں کل راز سجھایا

◆◆◆◆

ان دونوں مثالوں میں پہلے دو مصرعے ہم وزن ہیں ۔ پھر کافی کا بند ہے جس کے پہلے دو مصرعے ہم وزن اور اس کا تیسرا مصرعہ بند کے پہلے دو مصرعوں سے مختلف وزن کا حامل ہے اور جس کا وزن بند سے پہلے دیئے گئے دو مصرعوں کے برابر ہے جسے کافی کا مطلع کہا جاتا ہے ۔

فرید کے کلام میں ایسے اور ان سے مختلف ان گنت تجربے دیکھے جا سکتے ہیں ۔ جہاں تک اس کے کلام میں وزن اور بحر کی موجودگی کا تعلق ہے تو فرید کا پورا کلام وزن اور

بحر کی موجودگی اور ان کے حامل ہونے کی مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے ۔ فرید نے اپنی شاعری میں نہ صرف پہلے سے رائج بحور اور اوزان کو بڑی چابکدستی سے استعمال کیا ہے بلکہ اس نے اس سلسلے میں کمال مہارت سے کچھ نئے مگر کامیاب تجربے بھی کئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ شاعری کے لئے وزن اور بحور کے استعمال کو نہایت ضروری سمجھتا ہے ۔ اس طرح وہ ورڈزورتھ کی طرف سے اعلیٰ و ارفع شاعری کے لئے دیئے گئے اس معیار پر بھی بھرپور طریقے سے پورا اترتا ہے ۔

ورڈزورتھ اعلیٰ و ارفع شاعری کی خصوصیات کے ذیل میں مزید کہتا ہے کہ شاعری ایک ایسا جذبہ ہے جس پر پر سکون لمحات کا اثر ہوتا ہے ۔ یہاں ورڈزورتھ شاعری کے قدیم یونانی نظریئے کا اثر قبول کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے جس کے مطابق شاعری کی دیوی شاعر سے اس کی بینائی چھین کر اسے شعری بصیرت عطا کر دیتی ہے ۔ اس طرح جب شاعر شعر کہنے کے عمل سے گذر رہا ہوتا ہے تو اس کا رابطہ عام زندگی سے کٹ جاتا ہے اور وہ ایک الگ اور جذبوں کی پر اسرار دنیا میں بیٹھ کر شعر کہتا ہے ۔ بالفاظ دیگر یہ کہا جا سکتا ہے کہ شاعر دراصل شعر کہتا نہیں بلکہ شعر اس پر وارد ہوتا ہے ۔ اس طرح اس کی کیفیت غالب کے اس شعر جیسی ہوتی ہے ۔

آتے ہیں غیب سے یہ مضامیں خیال میں
غالب صریرِ خامہ نوائے سروش ہے

جب ورڈزورتھ شاعری کو ایک ایسا جذبہ قرار دیتا ہے جس پر پر سکوں لمحات گذر چکے ہوں تو اس کا مقصد بھی یہی ہے کہ شاعر جب شعر تخلیق کرتا ہے تو اس پر شعور اور لاشعور کے درمیان کی کیفیت طاری ہوتی ہے اور ایسے عالم میں کہے گئے شعر کی سطح یقینی طور پر بہت بلند ہو جاتی ہے ۔

جب ہم فرید کی شاعری کا ورڈزورتھ کی طرف سے اعلیٰ و ارفع شاعری کے لئے دیئے گئے اس معیار کی روشنی میں جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں یہ دیکھ کر حیران کن خوشی ہوتی ہے کہ فرید کی شاعری ورڈزورتھ کے اس معیار پر بطریق احسن پوری اترتی ہے ۔ اس کی شاعری کو جہاں سے بھی دیکھئے اس کی سطح بتاتی ہے کہ یہ اشعار کہے نہیں گئے بلکہ شاعر کے

ذہن پر ایک عجیب کیفیت میں اترے ہیں جنہیں شاعر کو شعور اور لا شعور کے درمیان رکھ کر اس کے قلم سے لکھوایا گیا ہے۔ فرید کی بیشتر کافیاں ایسی ہیں کہ جنہیں پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ کوئی تخلیق کار اس قدر اعلیٰ کلام کیونکر تخلیق کر سکتا ہے۔ اس کی شاعری کے مطالعے سے عجیب الہامی کیفیات کا ثبوت مہیا ہوتا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ یہ شاعری نہیں بلکہ جذبہ ہے جس پر پر سکون لمحات گذر چکے ہیں۔ یوں تو کلام فرید کا ہر مصرعہ شاعر کا ایک جذبہ بن کر سامنے آتا ہے لیکن یہاں مختصر سا کلام درج کیا جا رہا ہے جو ورڈزورتھ کی طرف سے اعلیٰ و ارفع شاعری کے لئے دیئے گئے زیر بحث معیار کی تکمیل کا ثبوت مہیا کرتا ہے۔

نین نرالے نیر ، نکھڑے نور نظر دے
ساڑن سول سرر، ساگی سوز سقر دے
سچ ساگ دی سڑ گئی ساری ڈوڑے ڈھ ڈہاگ ڈہاڑی
تک تک مارن تیر زہری زور زر دے

◆◆◆◆

مندرجہ بالا مصرعوں میں شاعر کی قادر الکلامی اور اس کے فن میں جذبے کے ساتھ ساتھ ان پر سکوں لمحات کا اثر دیکھا جا سکتا ہے جن کا ورڈزورتھ نے اپنے تنقیدی اشارات میں ذکر کیا ہے۔ دیئے گئے مصرعوں پر اگر غور کیا جائے تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ پہلے مصرعے میں شامل ہر لفظ حرف " نون " سے شروع ہوتا ہے۔ دوسرے مصرعے میں شامل ہر لفظ حرف " سین " سے شروع ہوتا ہے۔ تیسرے مصرعے میں شامل ہر لفظ سوائے ایک لفظ کے حرف " سین " ہی سے شروع ہوتا ہے اور چوتھے مصرعے میں شامل ہر لفظ حرف " ڈ " سے شروع ہوتا ہے۔ آخری مصرعے کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے جس کے پہلے حصے میں حرف " تے " اور دوسرے حصے میں حرف " زے " کی تکرار ہے۔ یہ ساری کافی اسی فنی معراج کی نشاندہی کرتی ہے لیکن کمال یہ ہے کہ ہر مصرعہ ایسے جذبے اور ہر لفظ ایک عجیب کیف و سرور میں ڈوبا ہوا ہے جسے کسی پر سکون اور پر اسرار لمحے ہی میں تخلیق کیا جا سکتا ہے۔ یہ وہ جذبہ ہے جو فرید کے تقریباً سارے کلام

میں واضح طور پر دیکھا اور محسوس کیا جا سکتا ہے۔

روندیں عمر گذار ڈتوے
یار پنل دی گل نہ ہیوے
لائی دلڑی چوٹ اندر دی — وسری سجھ رنگیلی گھر دی
رلدی ریت تتی تھل بردی — اوڑک موت نصیب تھیوے

◆◆◆◆

چوڑے بیڑے کیتوں پانواں ڑی پانواں
میڈا یار گیا ملیر تے
ڈے کر کوڑیاں آس امیداں — تھورے چاڑھ ڈکھانواں ڑی ڈکھانواں
ہیں ڈکھڑے دل دلگیر تے
گئے برباد لکھو لکھ وعدے — ہن کیوں پھٹکی چانواں ڑی چانواں
کھوٹے توں وری بے پیر تے

◆◆◆◆

پٹی پیت دے پندھ پریرے
برے برہوں دے بار بریرے
راہ جبل دے، مارو تھل دے — سانگ کسانگ اجل دے
آنون یاد پنل دے رلڑے — پور پون پل پل دے
ڈکھڑے دل دل پکھڑے ڈھلدے
درد اندوہ گھنیرے
کیا دوری مجبوری اوڑک — ونجنا جھوک ضروری
پوری میاں سک سانول دی — ہم ایمان دی موڑی
پورے جھورے خاک پٹی دے
کرم کیچ وھیڑے

◆◆◆◆

میڈا عشق وی توں میڈا یار وی توں
میڈا دین وی توں ایمان وی توں

میڈا جسم وی توں میڈا روح وی توں — میڈا قلب وی توں ، جند جان وی توں
میڈا ذکر وی توں ، میڈا فکر وی توں — میڈا ذوق وی توں ، وجدان وی توں
میڈا سانول مٹھڑا شام سلونا — من موہن ، جانان وی توں
میڈا دھرم وی توں ، میڈا بھرم وی توں — میڈا شرم وی توں میڈی شان وی توں
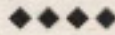
◆◆◆◆

ڈکھ ڈھیر سکھ دا ویر ہے — ریہاں گھٹیاں پیڑاں بھوں
رت روہنجوں نیراں واہن — کک سیڑھ تے سیڑھاں بھوں
جھک جھک کراں دھانیں بھوں — ڈکھ ڈکھ کڈھاں آہیں بھوں
دکھ دکھ اٹھن بھائیں بھوں — اک چک ہایاں ڈھیراں بھوں

◆◆◆◆

نینھ اولڑی چوٹک لائی
تن من کیتس چکنا چور
ماہی باجھوں کیویں گذاراں — سوز گھنیرے ڈکھ ہزاراں
پوون تی کوں دل دل پور

◆◆◆◆

آ مل ماہی میں ماندی ہاں
بے وس برہوں دی باندی ہاں
سکھ سڑیندی لیے لیندی — گانے گہنے پھل نہ پیندی
قول تلیندی چوڑ سڑیندی — روندی تے غم کھاندی ہاں

◆◆◆◆

ورڈزورتھ جہاں دیگر اہم باتیں کرتا ہے وہاں وہ انسانی دل میں موجود جذبات اور

فطرت کے مابین موجود تعلق کی اہمیت پر بھی بات کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ شاعر ایک طرف تو انسان کو انسان کے قریب اور دوسری طرف اسے فطرت کے قریب لانے کا کام کرتا ہے لیکن شاعر کا کمال یہ ہے کہ وہ انسانی دل میں موجود جذبات اور فطرت کے مابین پائے جانے والے تعلق پر بات کرے۔ وہ اس تعلق کو اس طرح اجاگر کرے کہ ان میں پائی جانے والی ہم آہنگی کا انکشاف ہو جائے۔ وہ اس کام کے لئے موزوں الفاظ اور تصور میں موجود تمثیلوں کو بہت اہم قرار دیتا ہے کیونکہ اس کے نزدیک شاعر انہی کے ذریعے اس بیک وقت نازک اور بے حد مضبوط تعلق کو واضح کر سکتا ہے۔

فرید کا مطالعہ کرتے ہوئے جب ہم اس کے کلام میں مذکورہ حوالے سے قلب انسانی اور روح فطرت کے مابین پائے جانے والے تعلق کا جائزہ لیتے ہیں تو ہم پر واضح ہوتا ہے کہ فرید اس تعلق سے نہ صرف پوری طرح واقف ہے بلکہ وہ اس تعلق کو پوری توانائی سے اجاگر کرنے کا فریضہ بطریق احسن انجام بھی دیتا ہے۔ وہ لفظوں پر حکمرانی کرتا ہے اور لفظ اس کے سامنے اپنے تمام تر معانی کا انکشاف لئے اپنے استعمال میں سراپا اطاعت بنے ہوئے ہیں۔ اس کا ذہن تصوراتی تمثیلوں سے روشن ہے اور وہ جہاں چاہتا ہے، حسب ضرورت ان تمثیلوں سے انسانی قلب میں موجود جذبات اور فطرت کے مابین پائے جانے والے تعلق کو اجاگر کرنے کا عمل کمال مہارت سے سرانجام دیتا ہے۔

آ چنوں رل یار، پیلوں پکیاں نی وے

حوریاں پریاں ٹولے ٹولے   حسن دیاں ہیلاں برہوں دے جھولے

راہیں ٹھنڈیاں ٹھار، لوئیں متیاں نی وے

آیاں پیلوں چنڑن دے ساگے   اوڑک تھیاں فریدنؒ واگے

چھوڑ آرام قرار، بکیاں بکیاں نی وے

◆◆◆◆

روہی وٹھڑی ٹوبھا تار وے   آ مل تو سینگا یار وے

تھئے تھڑے باغ بہار وے   چودھار گل گلزار وے

کتھے چنکیں دے جھنکار وے   کتھے مٹیاں دے گھبکار وے

ڈینھ رات مینگھ ملار وے   وچھ پکھیاں دے چوہنکار وے

◆◆◆◆

واہ وا دلبر دی یاری
لا یاری کرم نہ کاری

ناں ڈھولا مٹھڑا مکھڑا   گیا ساونڑ صاف سلکھڑا
گئی موسم چیتر بہاری

میں سدھری کیویں جالاں   پردیس بیٹھی تن گالاں
تھئے روھی ڈینھ ملاری

◆◆◆◆

کاں کو کو کر کر لوندا ہے
کوئی قاصد یار دا اوندا ہے

رت ساونڑ دی ڈینھ ملاری   بادشالی کنڑ منڑ جاری
بوئی لائی کھپ خوب پھلاری   کرڑ کنڈا سب بھوندا ہے
مینھ برسات خوشی دے ویلے   چھیڑن چھیڑو چھانگ سویلے
آپے دلبر کیتے میلے   جیں بن جی تڑپھوندا ہے

◆◆◆◆

سکھی کر لیو ہار سنگھار سبھی
سیاں رل مل دھوم مچائی

گرجت بدرہ لسکت بجلی   رت ساونڑ ٹھیک سہائی
اگن پپیہے کرن پلارے   رس کوئل کوک سٹائی
ملک ملھیر وسایم مولیٰ   سب پھل ہنگی چھائی
سمجھ فرید نہ کر دل موٹھی   کل لاج پئے گل پائی

◆◆◆◆

ورڈزورتھ کی طرف سے اعلیٰ و ارفع شاعری کے لئے دیئے گئے معیارات کی روشنی میں کلام فرید کا جائزہ لینے کے بعد ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ ان معیارات کی مکمل طور پر تکمیل کرتا ہے اور ان سبھی تقاضوں کو پورا کرتا ہے جو ورڈزورتھ اعلیٰ شاعری کی تخلیق کے سلسلے میں ایک شاعر سے کرتا ہے ۔ فرید کی شاعری ہر قسم کے تصنع اور بناوٹ سے پاک ہے ۔ وہ اپنی شاعری میں زبان اور جذبات کی سادگی کا پورا خیال رکھتا ہے ۔ اس میں اپنی زبان کو تاحد کمال سادگی سے استعمال کرنے کی صلاحیت موجود ہے ۔ وہ زبان کو اس وقار کے ساتھ استعمال کرتا ہے کہ جس سے سادہ جذبات میں قابل رشک ارتفع پیدا ہو جاتا ہے ۔ اس کا کلام مسرت بخش اور بصیرت بخش ہونے کے ساتھ ساتھ علم کے حصول کے ذریعے کے طور پر بھی سامنے آیا ہے ۔ اس کے تخیل میں گہرائی ہے جس کے باعث وہ زندگی کے عام اور سادہ موضوعات کو بھی شعری موضوع کا درجہ عطا کر دیتا ہے ۔ اس کی شاعری انسانوں کے مابین محبت کے جذبے کے فروغ کا درس دیتی ہے جس سے انسانی رابطوں کو استواری نصیب ہوتی ہے ۔ وہ صداقت پر یقین رکھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنے جذبات کی جیتی جاگتی عکاسی پر قادر ہے ۔ فرید جانتا ہے کہ شاعری میں بحور اور اوزان کے استعمال سے اس میں جمالیاتی تسکین کا عنصر شامل ہوتا ہے جس سے قاری مسرت حاصل کرتا ہے ۔ اسی لئے اس کی پوری شاعری بحور اور اوزان کے تابع اور اسی سانچے میں ڈھلی ہوئی ہے ۔ اس نے اپنی شاعری میں نہ صرف پہلے سے رائج اوزان اور بحور کا استعمال کیا ہے بلکہ اس نے اس جہت میں کئی نئے تجربات بھی کئے ہیں جس سے اس کے ماہر عروض ہونے کا پتہ چلتا ہے ۔ اس کی شاعری ایک ایسے جذبے کے طور پر سامنے آتی ہے جس پر یقینی طور پر پر سکون لمحات گذر چکے ہوں ۔ وہ اپنی شاعری کے ذریعے انسانی دل میں موجود جذبات اور فطرت کے درمیان پائے جانے والے ربط کو اجاگر کرنے کی اہمیت سے پوری طرح باخبر ہے جس کے لئے وہ موزوں الفاظ اور اپنے ذہن میں موجود تصوراتی تمثیلوں کا نہایت خوبصورت استعمال کرتا ہے ۔ اس طرح ورڈزورتھ کی نظر میں اعلیٰ و ارفع شاعری کا جو معیار ہے ، کلام فرید اس پر مکمل طور پر پورا اترتا ہے ۔

● ● ● ●

فرید اور کولرج

کولرج کی شخصیت کے کئی پہلو ہیں ۔ وہ شاعر ہے ، فلسفی ہے اور نقاد ہے ۔ گو وہ ان تمام میدانوں میں نہایت معتبر اور باوقار حیثیت رکھتا ہے لیکن بطور نقاد اس کی حیثیت اور مقام بہت بلند ہے ۔ اس کی کتاب "Literaria Biographia" کو انگریزی تنقید کی بڑی بلکہ عظیم کتاب کی حیثیت حاصل ہے ۔ ناقدین میں اگر عظیم ترین نقاد کے انتخاب کا معاملہ درپیش ہو تو نہایت اعتماد سے کہا جا سکتا ہے کہ کولرج کئی لحاظ سے سب سے آگے ہے ۔ مشہور نقاد سینٹس بری "SAINTS BURY" نے عظیم ترین نقاد کے تعین کے سلسلے میں ایک قابل ذکر کام کیا ہے ۔ اس نے سبھی ناقدین کا یکے بعد دیگرے مفصل جائزہ لینے کے بعد ان سب میں سے عظیم ترین نقاد کے نام کے سلسلے میں خوب بات کی ہے ۔ وہ کہتا ہے کہ تمام ناقدین کے تفصیلی تذکرے اور جائزے کے بعد ان سب میں عظیم ترین "THE GREATEST" کہلانے کا کون مستحق ہے تو اس سلسلے میں میری رائے ہے کہ " اب صرف تین نام باقی رہ گئے ہیں ، ارسطو ، لانجائنس اور کولرج ۔ " اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ اگر کولرج کا نام ارسطو اور لانجائنس سے پہلے نہیں لیا جا سکتا تو کم از کم ان کے ساتھ لیا جانا بے حد ضروری ہے ۔ ہمارے خیال میں کولرج کئی لحاظ سے اپنے اس اعلیٰ ترین مقام کا مستحق ہے کیونکہ وہ بلاشبہ رومانی دور کا سب سے بڑا نقاد ہے ۔

کولرج کی مشہور عالم مذکورہ کتاب میں ان گنت موضوعات پر بحث کی گئی ہے ۔ اس نے شاعری پر بھی بات کی ہے لیکن اس نے شاعری کے اصولوں سے زیادہ شاعر کی بات کی ہے ۔ وہ کہتا ہے کہ اگر کسی شخص کی روح فطرت سے ہم آہنگ نہیں تو وہ شاعر نہیں ہو سکتا کیونکہ کولرج کے بقول شاعری بنیادی طور پر نام ہی فطرت سے ہم آہنگی کا ہے ۔ اس طرح وہ ورڈز ورتھ کے نظریہ شاعری کو آگے بڑھاتا ہوا دکھائی دیتا ہے ۔ وہ تنقید کے

لئے بھی ایک معیار مقرر کرتا ہے ۔ وہ عام ناقدین کی طرح کسی فن پارے کے بارے میں یہ کہہ کر بات ختم نہیں کرتا کہ ارسطو ، افلاطون یا لانجائنس یہ کہتا ہے بلکہ وہ اس فن پارے کے خالق کے تصورات کو معیار بنا کر اسے پرکھنے پر زور دیتا ہے ۔ وہ نقاد اور شاعر دونوں کی انفرادیت کا قائل ہے ۔ اس کا خیال ہے کہ شاعر کی طرح نقاد کی بھی ایک انفرادیت ہوتی ہے ۔ وہ شاعر کو صرف ایسا تجربہ رکھنے والا تخلیق کار سمجھتا ہے جس کے تجربات کی سطح واقعاتی ہوتی ہے جبکہ نقاد کے لئے اس کے خیالات قدرے وسعت اختیار کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں ۔ وہ کہتا ہے کہ نقاد کے تجربات واقعاتی ہونے کے ساتھ ساتھ فنی اور ادبی بھی ہوتے ہیں ۔

کولرج کا نظریہ تخیل بھی اسے اہم نقاد قرار دلوانے میں بے حد مددگار ثابت ہوا ہے ۔ وہ بات کو صرف تصور تک محدود نہیں رہنے دیتا بلکہ اسے بہت آگے لے جاتا ہے ۔ اس کے نزدیک تخیل دو مختلف دنیاؤں یعنی احساس کی دنیا اور ادراک کی دنیا کے مابین رابطے اور پل کا کام کرتا ہے ۔ تخیل کے اس عمل کی بدولت احساس اور ادراک کے درمیان پائی جانے والی فاصلوں کی خلیج قابل لحاظ حد تک کم ہو جاتی ہے ۔ اسی طرح وہ ذہن اور دل میں موافقت پیدا کرنے پر زور دیتا ہے کیونکہ اس کی سوچی سمجھی رائے کے مطابق اس موافقت کے بغیر شاعری ممکن ہی نہیں ۔

کولرج اعلیٰ و ارفع شاعری کے لئے جہاں مختلف معیارات کی طرف اشارہ کرتا ہے وہاں وہ شاعر کو بنیاد بنا کر اس میں مختلف قسم کی صفات کا متلاشی ہے جو مندرجہ ذیل ہیں ۔

۱۔ شاعر کی روح میں ایک خاص قسم کا ترنم موجود ہونا چاہیئے ۔ اس کے نزدیک گو یہ ترنم اکتساب سے بھی ایک حد تک ترقی پا سکتا ہے لیکن اس کی دل کشی ویسی نہیں ہو سکتی جیسی کہ قدرتی طور پر شاعر میں موجود ترنم کی ہو سکتی ہے ۔ اس طرح کولرج شاعری کو ایک ایسی خصوصیت کا درجہ دیتا ہے جو کسی شاعر کو قدرتی طور پر عطا ہو جاتی ہے ۔

۲۔ اچھے شاعر کی یہ پہچان ہے کہ اس کے موضوعات عام نہیں ہوتے۔ وہ ایسے حالات اور دلچسپیوں سے دور رہتا ہے جن کی سطح بلند نہ ہو۔

۳۔ ایک اعلیٰ اور سچے شاعر کے تصورات ایسے زور دار جذبے کے تحت ہوتے ہیں جسے بروئے کار لا کر ذہن و دل میں موافقت پیدا کی جا سکتی ہے۔ اگر ذہن و دل میں ہم آہنگی نہ ہو تو شعر کی تخلیق غیر فطری اور غیر معیاری ہو جاتی ہے۔

۴۔ شاعر کے خیالات اور افکار میں گہرائی اور توانائی ہو۔ اس طرح وہ تخئیل کی گہرائی کی بات کرتے ہوئے شاعر کے لئے ضروری قرار دیتا ہے کہ اس کا ایک فلسفہ ہونا چاہئے کیونکہ فلسفے کے بغیر بڑا شاعر ہونا ناممکن ہے۔

اسی طرح کولرج شاعری کے لئے بھی کچھ خصوصیات کا اظہار کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اگر کسی شاعری میں یہ خصوصیات موجود نہ ہوں تو اس شاعری کو عمدہ شاعری کا درجہ نہیں دینا چاہئے۔ عمدہ شاعری کے لئے اس نے جو اشارات دیئے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ عمدہ شاعری کی پہلی پہچان یہ ہے کہ اسے جتنی بار پڑھا جائے، اس کے لطف میں کمی نہیں آتی بلکہ اس کے لطف میں اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں وہ شاعری جس کے الفاظ بدل دینے سے فرق نہ پڑے، نہایت کم درجے کی شاعری کے ذیل میں آتی ہے۔

۲۔ عمدہ شاعری کی دوسری پہچان یہ ہے کہ وہ ایک مطمئن ذہن کی تخلیق دکھائی دیتی ہے۔ اس معیار کی پہچان یہ ہے کہ ایسی شاعری میں ترتیب اور توازن واضح طور پر جھلکتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

۳۔ عمدہ شاعری کی تیسری پہچان یہ ہے کہ وہ ایک ایسی قوت کے طور پر سامنے آتی ہے جو فطرت کی نقل کر کے قاری کو حقیقت آشنا کرتی ہے۔ پھر یہی قوت تخئیل کی رنگ آمیزی سے حقیقت کو بدل کر اسے دلچسپ بنا دیتی ہے۔

۴۔ عمدہ شاعری کی چوتھی پہچان یہ ہے کہ اس کی زبان خصوصی اہمیت کی حامل ہوتی ہے ۔ عمدہ شاعری ایسی زبان کے ساتھ منظر عام پر آتی ہے جو عام ذہین اور شریف لوگ استعمال کرتے ہیں ۔

فرید کے حالات زندگی اور اس کی شاعری سے معمولی واقفیت رکھنے والا ہر شخص یہ جانتا ہے کہ فرید ایک ایسا شاعر ہے جسے شاعری کی صلاحیت عطائے خداوندی کے طور پر نصیب ہوئی ۔ فرید کا ہر قاری شاید اس واقعہ سے واقف ہے کہ جب ایام طفولیت میں فرید کے چچا خواجہ تاج محمود رسم بسم اللہ کے وقت فرید کو بسم اللہ کہلوانے لگے تو فرید نے اس موقع پر اس انداز میں بسم اللہ پڑھی کہ اس کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ ایک مصرعہ موزوں کی شکل میں سامنے آئے ۔ جب خواجہ تاج محمود کی توجہ اس طرف گئی تو ان پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی ۔ اس واقعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ فرید ایک پیدائشی شاعر ہے جس کی روح میں ایک خاص قسم کا ترنم قدرتی طور پر موجود ہے ۔ اس کے کلام کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس کا کلام جہاں مختلف اوزان اور بحور کے ذریعے مترنم ہوا ہے وہاں اس نے بہت سی کافیاں ہندی گیتوں کی لے کے مطابق کہی ہیں ۔ ایک زمانہ جانتا ہے کہ کلام فرید کو جس محفل میں گایا جائے ، حاضرین خواہ سرائیکی زبان سے واقف ہوں یا نہ ہوں ، ان پر کیف و سرور کا ایک ایسا عالم طاری ہو جاتا ہے کہ جو دیدنی ہوتا ہے ۔ فرید لفظوں اور ان کے اسرار و رموز سے پوری واقفیت رکھنے والا شاعر ہے ۔ وہ جانتا ہے کہ کس لفظ کا استعمال شاعری میں ترنم کے عنصر کو واضح کرتا ہے ، اس لئے اس کی پوری شاعری اس خوبی سے پوری طرح مالا مال ہے ۔ ترنم جہاں الفاظ کی مناسب ترتیب اور نشست سے وجود میں آتا ہے وہاں اس میں اوزان و بحور کا انتخاب بھی بنیادی کردار ادا کرتا ہے ۔ فرید نے اپنے کلام میں عجیب و غریب قسم کے تجربات کئے ہیں ۔ کہیں تو اس نے اوزان و بحور کے تجربات کئے ہیں اور کہیں ہیئت کے ۔ اسی طرح اس کی بہت سی کافیاں داخلی قافیے کے ایک عجیب و غریب نظام سے مزین دکھائی دیتی ہیں ۔ وہ لفظوں کی تکرار ، قوافی اور ردیفوں کے انتخاب پر پوری توجہ دیتا ہے جس سے اس کا کلام بے حد مترنم ہو گیا ہے اور یہ نتیجہ اخذ کرنے میں کسی مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑتا کہ فرید

ایک ایسا شاعر ہے جس کی روح میں ایک خاص قسم کا ترنم موجود ہے۔ یوں تو فرید کا سارا کلام ترنم سے لبریز ہے لیکن یہاں صرف چند مثالیں دی جا رہی ہیں۔

آکھیاں شرکارݨ نت بکھیاں ہن پاپی بے پیر
زلفاں مشکیں بنھ بنھ ڈیون دلڑی کو تعزیر
کوجھی کملی تیڈے ناں دی ناں کر یار کریر

◆◆◆◆

دل وس وسا اوہے ڈول وے
کر لاڈ مٹھڑا بول وے

ہر وقت ساڈول ڈھول وے پیا ہو اساڈڑے کول وے
اٹھ سونہیں دی گھنڈڑی کھول وے ان سنگ میں سنگ بول وے
اکھوں ناز دے نک ٹول وے لکھ لکھ الول مخول وے

◆◆◆◆

دلڑی حرمل ، آکھیاں بل بل پیریں چھل چھل چھالے
زرمل درد اندر دے در مل ڈتڑے روگ کشالے
جل بل تے ہتھ مل مل کوکاں
زخم پئے وچ زیرے

◆◆◆◆

اللہ میلے دل سنگ یارا
بردی توں دلبر دی
ناز نزاکت ، حسن ملاحت کیا چالیں کیا ڈھنگ یارا
سوہݨی طرح نظر دی

◆◆◆◆

اج کل اکھ پھرکاندی ہے
کئی خبر وصال دی آندی ہے
رانجھن جوگی آیم ویڑھے — سڑوے مروے کھیڑے بھیڑے
ہن وت ساکوں کون نکھیڑے — پل پل پانھ سراندی ہے

◆◆◆◆

نال کر بے پرواہی وو یار
آمل سانول ماہی وو یار
پاجھوں تیڈے پاجھ اجائی — اڑی بابل بھینڑیں بھائی
پھر وی دل توں لاہی وو یار
برہوں فرید تھیوسے ساتھی — جیں بئیھ راول پا کر جھاتی
جادو مرلی واہی وو یار

◆◆◆◆

فرید کی شاعری کے موضوعات نہایت منفرد اور اچھوتے ہیں ۔ اس کی زندگی کے حالات کے مطالعے کے بعد ہماری اس بات سے یقیناً سبھی اتفاق کریں گے کہ وہ عام انسان نہیں تھا ۔ اس نے ایک ایسے خاندان میں آنکھ کھولی کہ تصوف جس کا اوڑھنا بچھونا تھا ۔ اس کی تربیت ایک خاص انداز میں ہوئی ۔ علم و فضل سے وابستگی اس ماحول کی اولین ضرورت تھی اور پھر ایک ایسا آدمی جو پیدائشی طور پر کئی ایسے اوصاف لے کر آیا ہو جنہیں عام آدمی اکتساب سے بھی ترقی نہیں دے سکتا ، اس کے لئے تو عام حالات اور دلچسپیاں یقینی طور پر کوئی اہمیت نہیں رکھتیں لیکن فرید کا کمال یہ ہے کہ وہ جس موضوع کو بھی زیر بحث لاتا اور اپنے فن پارے میں جگہ دیتا ہے ، اسے خاص موضوع بنا دیتا ہے ۔

فرید دنیائے ادب کا عجیب شاعر ہے کہ جس نے نہ صرف اظہار کے اچھوتے اور الگ انداز دریافت کئے بلکہ انہیں نہایت کامیابی کے ساتھ برتا بھی ۔ گو اس کا مشاہدہ قابل رشک اور مطالعہ وسیع ہے لیکن وہ خاص موضوعات کا خاص اہمیت اور رنگ کے

ساتھ اظہار کرتا ہے۔ ہر چند وہ سبھی قسم کے حالات پر نظر رکھتا ہے لیکن اپنی شاعری کے لئے وہ موزوں ترین حالات ہی کا انتخاب کرتا ہے۔ وہ وصل، ہجر اور فراق، سبھی کے لئے ایک خاص نقطہ نظر رکھتا ہے، ایک ایسا نقطہ نظر کہ جس کا معیار اور سطح نہایت بلند ہے۔ وہ عشق کو بھی ایک خاص انداز سے دیکھتا ہے اور اس عمل کو بلند ترین عمل کا درجہ دیتا ہے۔ وہ زندگی اور موت دونوں کے لئے نہایت موزوں خیالات رکھتا ہے، ایسے خیالات کہ جن کی تردید نہیں کی جا سکتی۔ وہ جدائی کے المیے کو ایک خاص تناظر میں رکھ کر بیان کرتا ہے جو قاری کے لئے انوکھے کیف و سرور کا حامل ہوتا ہے۔ وہ اپنے قاری کے لئے اپنی شاعری میں عجیب مناظر اور لفظوں کی انوکھی دنیائیں تخلیق کرتا ہے جو اسے عام مناظر سے ہٹا کر ایک منفرد ماحول میں لے جاتی ہیں۔ اس کے کلام کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کا جتنی سنجیدگی کے ساتھ مطالعہ کیا جائے، اس کا رنگ ایک انوکھے انداز میں نکھرتا جاتا ہے اور انکشافات کے ایسے ایسے دریچے کھلنے لگتے ہیں کہ قاری حیران ہو جاتا ہے۔ گو اس کی شاعری بظاہر سادہ لفظوں سے ہی ترتیب پاتی ہے لیکن اس کی گہرائی کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب اسے خاص تناظر میں زیر مطالعہ لایا جائے۔

گذریا وقت گندھاوڑ دھڑیاں　　وسریا ہار سنگار اساہاں
روگ کروپ کشالے ہر دم　　دردوں نالہ زار اساہاں
سرمہ پانوڑ، سرخی لانوڑ　　بیسر بول تے مانگھ بٹانوڑ
سبھوں پھلوں سرے پانوڑ　　سب کجھ تھیا بے کار اساہاں

◆◆◆◆

آپے کیتوئی یار وے
کیوں تھی کھڑیوں اوازار وے
ایویں نہ ہا لائق چل　　کھڑی دی دل لدھڑو نہ کل
ونج کیچ لایو عشق اگ　　میں گل موئی وچ بار وے

◆◆◆◆

اج فال فراق ڈسیندی ہے
متاں یار کنوں نکھریندی ہے

بھاگ گیا بد بختی جاگی　　　　پانھ چوڑیلی تھیوم ڈوہاگی
جیندیں ڈیکھاں سانول ساگی　　　　جندڑی مر مر ویندی ہے
نظر نہ آوے رانجھن ماہی　　　　کیتس بے کس تے بے واہی
مونجھ منجھاری بگل دی پھاہی　　　　صبر آرام ونجیندی ہے

◆◆◆◆

ہک دم ہجر نہ سہندی ہے
دل دلبر کارن ماندی ہے

سوز گداز دی توں وچھانواں　　　　ڈکھ ڈوہاگ دی سجھ سانواں
بار غماں دا بگل وچ پانواں　　　　درد دی پانھ سراندی ہے

◆◆◆◆

سک ساڑے دل تنگ بچاہے
وطن نہ وسرم رانجھن والے

ہجر فراق دا کوجھا قصہ　　　　ساہ مونجھائے تے ہاں ڈاہے
راہ اولڑے لکھ لکھ ولڑے　　　　ڈونگر کالے ، بیریں چھالے
دلڑی جھڑی ڈکھڑیں لڈڑی　　　　کیویں ہوش حواس سنبھالے
یار فرید نہ اترم دل توں　　　　لطفوں بھالے خواہ نہ بھالے

◆◆◆◆

فرید کی شاعری صرف ذہن کی شاعری نہیں ، وہ صرف فنی اظہار کا اعلیٰ نمونہ نہیں ، اس میں صرف وزن ، بحر اور آہنگ سے کام لے کر شعر کے فن کی تکمیل نہیں کی گئی ، وہ قافیہ اور ردیف کا کھیل نہیں یا صرف ہئیت کے تجربات کا خوبصورت نمونہ نہیں بلکہ اس کی پوری شاعری میں اس کے ذہن میں پائے جانے والے تصورات کے اظہار کے

ساتھ ساتھ اس کا دل بھی پوری توانائی کے ساتھ دھڑکتا ہوا صاف دکھائی دیتا ہے ۔ وہ اپنی شاعری میں صرف لفظوں کی جادوگری کا عمل انجام نہیں دیتا بلکہ اس کے ایک ایک لفظ کے پیچھے ایک خوبصورت اور اعلیٰ جذبے کا پس منظر واضح طور پر دکھائی دیتا ہے ۔ وہ صرف سوچ کی اساس پر اپنی شاعری کا محل تعمیر نہیں کرتا بلکہ اسے دل کے درد اور اس سے متعلق سبھی کیفیتوں سے سنوارتا اور نکھارتا بھی ہے ۔ وہ تصورات کے خاکے میں خون دل سے رنگ بھرتا اور اپنے احساسات کو جذبات کے ساتھ ہم آہنگ کر کے اپنے شعری سفر کو اس طرح آگے بڑھاتا ہے کہ ایک پر کیف اور اچھوتا ماحول وجود میں آ جاتا ہے ۔ اگر اس کی شاعری کا گہری نظر سے جائزہ لیا جائے تو عجیب مناظر آنکھوں کے سامنے آنے لگتے ہیں۔ وہ شعور اور لاشعور میں پائے جانے والے فاصلوں کے درمیان ایک عجیب سا رابطہ پیدا کر دیتا ہے جس سے اردگرد کی سبھی چیزیں انوکھے رنگ و روپ کے ساتھ جلوہ گر ہونے لگتی ہیں ۔ اس کی شاعری میں احساسات اور جذبات کا نہایت معتبر اور باوقار ربط پایا جاتا ہے جس کے انکشاف پر قاری ایک ایسی کیفیت سے دوچار ہونے لگتا ہے کہ جسے لفظوں میں بیان نہیں کیا جا سکتا ۔

ماہی میں دا چاک اساڈے من بھاوندا
ہر دم ہوویں کولے میڈے
کر رکھاں دل پاک وتاں گلبکری پاوندا
دردوں ٹھنڈڑیاں آہیں کڈھدی
رو رو ڈیواں ہاک ڈکھڑا اکھ نہ ماوندا

◆◆◆◆

ہر صورت وچ آوے یار
کر کے ناز ادا لکھ وار
حسن ملاحت برہوں بھڑکائے رمز نزاکت بھاہ بھڑکائے
عشوہ غمزہ تیر چلائے بے دل پھروے زار نزار

◆◆◆◆

میکوں کھڑا چھوڑ تے
وینڈیں کیندے سانگ
قطرہ محض نگلیس نہ آیو لاؤ ہجر دی سانگ
تھل مارو دا پینڈا سارا تھیم ہک بلھانگ
جے تیں نائیں دے وچ سانم رہسم تیڈڑی تانگ

◆◆◆◆

ہن یار پرانی ہیڑ وو
تھیاں اکھیاں چھل ، گجی واری جل
سی شودی ہیر پیاری نال تڑ تاڑے جھوک آبادی
مٹھڑی بے تقصیر وو
نہ خرچ پلے نہ گنڈھ سل

◆◆◆◆

مل مہیوالا ، مل مہیوال
ہر دل میں ہے تیڈڑی بھال
گھر فراق تے موجھ موجھاری یاری لاکر مٹھڑی ہاری
ڈیسدم وصل وصال محال

◆◆◆◆

ہن عشق وچھایم پھس سائیں
لکھ وار اساہی بس سائیں
مدد بھو ڈکھ لائم سٹریں ساتھ اٹھائم
نال کئی خبر نہ ڈس سائیں
ڈکھے پینڈے تھل دے پور پون پل پل دے
دردیں دے ہتھ رس سائیں

◆◆◆◆

کولرج شاعر کے لئے جو آخری بات کہتا ہے وہ یہ ہے کہ شاعر تخیل کی گہرائی کی صفت سے موصوف ہو ۔ وہ ایک فلسفہ رکھتا ہو کیونکہ اس کے بغیر کوئی شاعر بڑا شاعر نہیں بن سکتا ۔

فرید نے اپنی پوری زندگی ایک نظریئے اور ایک فلسفے کے تحت ہی گذاری ہے ۔ اس کی شاعری میں ہر قدم پر اس بات کی شہادتیں ملتی ہیں کہ وہ ابن عربی کے افکار سے بے حد متاثر تھا ۔ فرید اپنی شاعری میں دراصل فلسفہ وحدت الوجود کے پرجوش مبلغ اور شارح کے طور پر سامنے آتا ہے ۔ مستشرقین اور ان کے پیروکاروں کے خیال کے مطابق نظریہ وحدت الوجود یا ہمہ اوست کے خالق قدیم یونان کے فلسفی پاری مانڈیس اور زینو ہیں ۔ ان کے خیال کے مطابق کائنات ایک وحدت ہے جس میں دوئی یا کثرت نہیں پائی جاتی ۔ اس فلسفے کو جن رومیوں نے آگے بڑھانے اور اسے نکھارنے کا کام کیا ، ان میں رواقئین ایپک ٹیٹس اور فلاطینوس کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔ ان کے مطابق ذات واحد سورج کی طرح ہے جس کی روشنی جس چیز پر پڑتی ہے ، اسے روشن کر دیتی ہے ۔ فلاطینوس کا فلسفہ صعود و تنزل یا فصل و جذب بھی عالم اسلام میں بے حد مقبول ہوا جس کے مطابق ذات احد سے پہلا صدور عقل کل سے نفس کل صادر ہوا جو بذات خود جملہ نفوس کا ماخذ ہے ۔ ان میں سب سے نیچے مادہ ہے اور یہ وہ تاریکی ہے جہاں تک آفتاب حقیقی کی شعاعیں پہنچ نہیں پاتیں ۔ روح انسانی مادے کی تاریکی اور جہالت میں قید ہو کر اپنے ماخذ حقیقی سے دور ہو جاتی ہے لیکن اس میں دوبارہ جذب ہونے کے لئے ہمیشہ بے قرار و بے چین رہتی ہے ۔ اپنے مصدر اول میں جذب ہونے کی اسی بے قرار و بے چین آرزو کا نام عشق حقیقی ہے ۔ خیال میں تفکر اور گہرائی ، مراقبے اور استغراق کے ذریعے روح کو مادے کی اس اسیری سے رہائی دلائی جا سکتی ہے اور جب روح اس اسیری سے رہا ہو جاتی ہے تو وہ اپنے مصدر اول میں جذب ہو جاتی ہے ۔ ایک خیال کے مطابق الکندی ، فارابی اور ابن سینا کا نظریہ عقول بھی مذکورہ بالا نظریئے کا عکس ہے ۔

فرید کی شاعری میں فلسفہ وحدت الوجود یا ہمہ اوست کا تواتر اور تسلسل کے ساتھ ذکر ملتا ہے ۔

وحدت عین عیان ڈٹھوسے طمس حقیقی سمجھ لیوسے
مخفی کل اظہار تھیوسے ہر گن گیان دے گیت نوں پایا
تھئے واضح مشہود دقائق تھئے لائح انوار حقائق
ظاہر بجھ سبھ کجھ دے لائق قرب تے بعد دا فرق اٹھایا

◆◆◆◆

حسن قبیح سب مظہر ذاتی
ہر رنگ میں بے رنگ پیارا

◆◆◆◆

ہر صورت وچ غیر کوں جاݨیں غیر نہیں موجود
سبھ اعداد کوں سمجھیں واحد کثرت ہے مفقود

◆◆◆◆
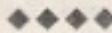
سوہݨے یار پنل دا
ہر جا عین ظہور
اول ، آخر ، ظاہر باطن اس دا جاݨ ظہور
آپ بݨے سلطان جہاں دا آپ بݨے مزدور

◆◆◆◆

ہمہ اوست دے بھید نیارے جاݨن وحدت دے ونجارے
ہر ہر شے وچ کرن نظارے اصل تجلی طوری نوں

◆◆◆◆

سمجھ سنجاݨیں ، غیر نہ جاݨیں
سبھ صورت ہے عین ظہور
رکھ تصدیق نہ تھی آوارہ کعبہ قبلہ ، دیر ، دوارہ
مسجد ، مندر ہکڑو نور

ملاں ویری سخت ڈسیندے   بے شک ہن استاد دلیں دے

ابن العربی تے منصور

◆◆◆◆

وہ وہ سوہنے دا ورتارا

ہر صورت وچ کرے اوتارا

ہک جا چاوے عشق اجارہ   ہئی جا ڈیوے حسن اودھارا

او مالک میں اوہی تگ دا   ہر صورت وچ مٹھڑا لگدا

◆◆◆◆

حق باطل سب حق ہے حق ہے   پر اے راز بھوں مغلق ہے

یار ہے یار ہے یار ہے یار   سوہنا کوجھا نیک اتے بد

◆◆◆◆

سب صورت وچ وسدا ڈھولا ماہی

دل اساڈی کھسدا ڈھولا ماہی

رنگ برنگی اس دے ورے   آپ ہے رانجھا ہیر تے کھیڑے

لک چھپ بھید نہ ڈسدا ڈھولا ماہی

◆◆◆◆

فرید زندگی کے بارے میں ایک خاص نقطہ نظر رکھتا ہے ۔ اس نے اپنی شاعری میں انسان اور انسانی زندگی کے ان پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے جن کو بہتر بنانے سے انسان اس دنیا اور آخرت میں سرخرو ہو سکتا ہے ۔ اس کے علاوہ اس نے ہمہ رنگ موضوعات پر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے ۔ فرید اپنی شاعری میں جن جن موضوعات کو زیر بحث لاتا ہے ان کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ان سبھی موضوعات پر مکمل گرفت رکھتا ہے ۔

کولرج کے علاوہ کئی دیگر اہم ناقدین نے شاعر کے لئے تخیل کی گہرائی کے حامل ہونے کی بات ہے ۔ اس سلسلے میں ان ناقدین کے تنقیدی نظریات پر بحث کرتے

ہوئے فرید کے کلام سے کئی مثالیں پیش کی جا چکی ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ فرید کی شاعری اس صفت سے بے حد مرصع ہے۔ وہ ایک ایسا شاعر ہے جو اظہار کا نہایت توانا اور باوقار انداز رکھنے کے ساتھ ساتھ تخیل کی انتہائی اعلیٰ صلاحیت کا حامل بھی ہے۔ اس کی شاعری انوکھی اور حیران کن جہتوں کی شاعری ہے جس کا ہر مصرعہ تخیل کی گہرائی اور پرکشش انداز سے اپنے قاری کو چونکا دیتا ہے۔ اس سلسلے میں چند مثالیں۔

ہن میں رانجھن ہوئی   ریہا فرق نہ کوئی
جیں سنگ دلڑی پیت لگائی   آخر بن گئی سوئی
پہلے کھا کر درد کشالے   اوڑک تھئی دلجوئی
شابس اصلوں عشق نہ ہاریوں   جتنا ہار چتوئی
جو کوئی سک محبت دے وچ   مرن توں اگے موئی

◆◆◆◆

ہک دم ہجر نہ سہندی ہے
دل دلبر کارن ماندی ہے

سوز گداز دی تول وچھاواں   ڈکھ ڈوہاگ دی سیجھ سہاواں
بار غماں دا گل وچ پاواں   درد دی بانھ سراندی ہے
ماہی بے پرواہ ملیوسے   پلڑے سوز فراق ہیوسے
حال کنوں بے حال تھیوسے   جندڑی جھوک غماں دی ہے
ڈینھ نبھاواں سڑدیں جلدیں   رات ونجاواں جلدیں گلدیں
ساری عمر گئی ہتھ ملدیں   ہے ہے موت نہ آندی ہے

◆◆◆◆

وسو وی اکھیاں گھنگھوراں لا کے

آنوٹ کر گئے دل نہ آئے   دل نوں مفتی چوٹ چلا کے
اتنا ظلم مناسب نائیں   پہلوں اپنا یار بنا کے

روہ جبل وچ ماروتھل وچ ۔۔۔ مار گیا پردیس رلا کے
جوگن تھیساں ملک ڈھونڈیساں ۔۔۔ ویساں انگ بھبوت رما کے

◆◆◆◆

ڈکھ ڈھیر سکھ دا ور ھے ۔۔۔ رڑاں گھنڈیاں پیڑاں بھوں
رت روہنجوں نیراں وہن ۔۔۔ کک سیڑھ تے سیڑھاں بھوں
سر بھونڈا ، اجڑیا خاک ہے ۔۔۔ منہ دھوڑ سینہ چاک ہے
چوچک تھیا ہن چاک ہے ۔۔۔ مٹھی جھوک دل ویراں بھوں

◆◆◆◆

ڈکھڑے ہکھڑے آیم ۔۔۔ خوشیاں بھاونوں رہیاں
چاندنیاں راتیں برہوں براتیں ۔۔۔ سیاں کھیڈن گیاں
روز ازل دا وارث ساڈا ۔۔۔ توں ہیں رانجھن سائیاں
سکڑے سوہرے خویش قبیلے ۔۔۔ سٹ کر تیڈی تھیاں

◆◆◆◆

گو کولرج نے شاعر کی صفات گنوانے کے دوران میں شاعری کے خصوصیات پر بالواسطہ بات کی ہے لیکن اس نے ضروری سمجھا کہ عمدہ شاعری کے معیار پر بلاواسطہ بھی اظہار خیال ہونا چاہئے ۔ اس لئے اس نے شاعری کے لئے چند ایسی ضرورتوں کا تذکرہ کیا ہے جن کی اہمیت سے قطعی انکار نہیں کیا جا سکتا ۔

کولرج نے عمدہ شاعری کی پہچان کے سلسلے میں سب سے پہلی بات یہ کی ہے کہ اگر اسے بار بار پڑھا جائے تو اس کے لطف اور تاثر میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے ۔

اس طرح اس نے عمدہ شاعری کے لئے ایسے تاثر کا حامل ہونا ضروری قرار دیا ہے جو ہمیشہ رہنے والا ہو ۔ تاثر اور لطف میں اضافے کا یہ جواز پیش کیا جا سکتا ہے کہ شاعری کو بار بار پڑھنے سے اس کی تہ میں چھپے ہوئے معانی منکشف ہونے کی صورت پیدا ہو گی اور ظاہر ہے کہ جب یہ معانی قاری کی تفہیم کی حدوں میں آئیں گے تو اس کے

ذہن میں اس شاعری کے لئے نہ صرف ایک نیا تاثر ابھرے گا بلکہ ایسی شاعری کو پڑھ کر وہ پہلے سے بھی زیادہ لطف اندوز ہو گا۔

کولرج نے اسی ذیل میں یہ بھی کہا ہے کہ عمدہ شاعری کے الفاظ تبدیل کر دینے سے اگر اس کے معانی، حیثیت، تاثر اور لطف میں فرق نہیں پڑتا تو ایسی شاعری بھی کسی طرح عمدہ شاعری کی صف میں شامل نہیں کی جا سکتی۔ کولرج نے اپنی اس بات میں شاعری میں الفاظ کی اہمیت کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے خیال میں شاعری میں ایسے الفاظ کا استعمال ہونا چاہیئے جو بے بدل ہوں۔ اگر ان الفاظ میں سے کسی کو بھی تبدیل کیا جائے تو اس تبدیلی سے یقینی طور پر شاعری کے معانی، تاثر اور لطف کو منفی طور پر متاثر ہونا چاہیئے۔

فرید کی شاعری کولرج کے مندرجہ بالا نظریئے کی انتہائی اعلیٰ سطح پر تائید کرتی ہے۔ فرید کی شاعری کی اولین خصوصیت یہی ہے کہ اسے جتنی بار پڑھا یا سنا جائے، اس کے تاثر میں اضافہ ہونے کے ساتھ ساتھ لطف میں ایک ایسی مثبت تبدیلی رونما ہوتی ہے کہ جسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ کوئی سرائیکی زبان سے واقف ہو یا نہ ہو لیکن یہ دیکھا گیا ہے کہ جب کلام فرید پڑھا جا رہا ہو تو اس کا سامع ایک عجیب کیف و سرور میں ڈوب جاتا ہے۔ اس بات کی کون تردید کرے گا کہ جب فرید کی مشہور زمانہ کافی

میڈا عشق وی توں میڈا یار وی توں

پڑھی جا رہی ہوتی ہے تو سننے والوں کے تاثرات ایک عجیب کیف و سرور کے حامل ہوتے ہیں۔ حیران کن بات تو یہ ہے کہ اسے جتنی بار پڑھا یا سنا جائے، اس کے تاثر اور لطف میں اضافہ ہی ہوتا چلا جاتا ہے۔ کلام فرید میں الفاظ کے انتخاب، ترتیب، معیار اور بندوبست کا کمال یہ ہے کہ یہ اپنے قاری یا سامع کو اپنی طرف نہ صرف متوجہ کر لیتا ہے بلکہ ہر بار ایک نئے لطف اور تاثر کے ساتھ اسے اپنے کیف و سرور کے دائرے میں مقید کر لیتا ہے۔ یہ واقعہ دلچسپی سے خالی نہیں گردانا جائے گا کہ نامور صحافی دیوان سنگھ مفتوں ساہیوال جیل میں قید تھے۔ وہ لکھتے ہیں کہ وہاں رات کے وقت روزانہ ایک قیدی

نہایت پر سوز آواز میں کافیاں گایا کرتا تھا ۔ ہر چند کافیوں کی زبان ان کی سمجھ میں نہ آتی لیکن ان میں کوئی خاص قسم کی کشش تھی جو انہیں اپنی جانب کھینچ لیتی ۔ ان پر ناقابل بیان کیف و مستی کا عالم طاری ہو جاتا ۔ انہوں نے معلومات حاصل کیں کہ وہ شخص کس کا کلام پڑھتا ہے ۔ انہیں بتایا گیا کہ یہ کلام حضرت خواجہ غلام فرید؄ کا ہے جو نواب بہاول پور کے پیرومرشد تھے ۔ انہیں یہ بھی بتایا گیا کہ یہ کلام ہنوز شائع نہیں ہوا ۔ رہائی کے بعد دیوان سنگھ مفتوں نے اپنے مشہور زمانہ اخبار " ریاست " میں ایک نہایت سخت مضمون لکھا ، انہوں نے لکھا " حضرت خواجہ غلام فرید؄ کی کافیاں فکر و فن کے اعتبار سے ادب عالیہ کا درجہ رکھتی ہیں مگر ناقدری کا عالم یہ ہے کہ فکر و دانش کے یہ جواہر ریزے گویا سوروں کے پاؤں تلے رل رہے ہیں ۔ کسی کو ان کی حفاظت کی فکر نہیں ۔ "
دبیر الملک مولانا عزیز الرحمٰن عزیز نے نواب صادق محمد خاں عباسی کے حکم پر جو " دیوان فرید " شائع کیا یہ اسی مضمون ہی کا کرشمہ تھا ۔ اس واقعہ سے یقینی طور پر یہ بات سامنے آتی ہے کہ کلام فرید ایک ایسی تاثیر اور لطف کا حامل ہے جو ایک ایسے شخص کو بھی بے حد متاثر کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے جو اس کی زبان سے واقفیت نہ رکھتا ہو ۔ یوں تو فرید کی تقریباً سبھی کافیوں کو اس ذیل میں مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے لیکن مندرجہ ذیل کافیاں اس سلسلے میں خصوصی اہمیت رکھتی ہیں ۔ گو مندرجہ ذیل مثالیں ایسی کافیوں کے مطلعے ہیں کہ جنہیں جتنی بار پڑھا یا سنا جائے تو ان کے لطف اور تاثر میں اضافہ ہی ہوتا جاتا ہے لیکن اگر ان میں سے کسی مصرعے کے ایک لفظ کو بھی تبدیل کرنے کی کوشش کی جائے تو اس سے کلام کا سارا مفہوم تبدیل ہو جاتا ہے اور اس کی سطح اور معیار بھی نہایت کمتر ہو جاتا ہے ۔ کولرج کے نزدیک الفاظ کے انتخاب کا یہی معیار پسندیدہ ہے ۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ فرید کی شاعری میں الفاظ کا اس قدر مناسب اور موزوں ترین استعمال ہوا ہے کہ ان سے بہتر الفاظ کا استعمال ممکن ہی نہیں ۔ گویا فرید کی شاعری بے بدل الفاظ کا وہ خوبصورت نمونہ ہے کہ جس کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے ۔

تی رو رو واٹ نہاراں
کڈیں سانول موڑ مہاراں

◆◆◆◆

درد اندر دی پیڑ ، ڈاڈھا سخت ستایا
ہجر فراق دے تیر ، دل نوں مار موُنجھایا

◆◆◆◆

ساڈے نال سدا توں وس ہیا
وس ہس رس دل کھس ہیا

◆◆◆◆

کیا حال سُنانواں دل دا
کوئی محرم راز نہ ملدا

◆◆◆◆

مسافر ملیندی دا گذر گیا ہنجھ سارا
سنگار کریندی دا گذر گیا ہنجھ سارا

◆◆◆◆

ہے ہے یار بروچل
ہک تل ترس نہ کیتا

◆◆◆◆

اساں کنوں دل چاوے وے یار
چاہے کتھاں ونج لاوے وے یار

◆◆◆◆

بولا بینسر کس نوں میں پانواں
ڈھولن گیئم نامنظور

◆◆◆◆

بے شک جاناں بے شک جاناں
سوہنے کوں ہے سخت غرور

◆◆◆◆

جیونڑ ڈینھ اڈھائی دو یار
ست گھت فخر وڈائی دو یار

◆◆◆◆

مل مینوالا مل مینوال
ہر دل میں ہے تیڈڑی بھال

◆◆◆◆

ڈکھڑیں کارنڑ جائی ہم
سولیں سانگ سمائی ہم

◆◆◆◆

ہے حسن حقیقی نور ازل
جیندوں واجب تے امکان کھوں

◆◆◆◆

۲ مل مارو مارڑو تھل وچ کردیاں دھاہاں

◆◆◆◆
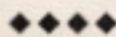
ول عشق مجازی آگ سائیں
ڈکھ سوز رچیا رگ رگ نسائیں

◆◆◆◆

ڈھولنڑ تیڈی سک دھیر ہم تانگھاں گھنڈیاں چاہیں ہیوں

◆◆◆◆

رت روندیں عمر نبھیساں
ایہو داغ قبر وچ نیساں

◆◆◆◆

روہی گجری ہے سانونڑ ترت ولا ہوت مہاراں

◆◆◆◆

سانوݨ جیٹھ ملہاراں
ترس پووی پٹل آموڑ مہاراں

◆◆◆◆

بچݨ توں بن نہ تھیساں میں
گھڑی کیا پل نہ جیساں میں

◆◆◆◆

آ مل ماہی میں ماندی ہاں
بے وس برہوں دی باندی ہاں

◆◆◆◆

نینہہ لایم کارݨ سکھ وے میاں
پئے پلڑے ڈوڑے ڈکھ وے میاں

◆◆◆◆

وچ روہی دے رہندیاں
نازک نازو جٹیاں

◆◆◆◆

ہݨ دل بدلایم سر سائیں
گیا درداں جیڑا جھر سائیں

◆◆◆◆

ہݨ عشق وچایم چس سائیں
لکھ وار اساڈی بس سائیں

◆◆◆◆

ہے عشق دا جلوہ ہر ہر جا سبحان اللہ ، سبحان اللہ

◆◆◆◆

آپے یار محبت چایم ڑی
وچ آپ کوں آپ اڑایم ڑی

◆◆◆◆

اج فال فراق ڈسیندی ہے
متاں یار کنوں نکھڑیندی ہے

◆◆◆◆

۲ چھوڑ رل یار بیلوں پکیاں نی وے

◆◆◆◆

اللہ میلے دل سنگ یارا
بردی توں دلبر دی

◆◆◆◆

آئے [illegible]ست ڈیاڑے ساونڑ دے
وہ ساونڑ دے من بھاونڑ دے

◆◆◆◆

جوی توں پوتھی پھول دے
وسسی کڈاں سوہنا کول دے

◆◆◆◆

رانجھنڑ انگ لگایا ہے
سب غیر دا وہم بھلایا ہے

◆◆◆◆

روندیں عمر نبھائی یار دی خبر نہ کائی

◆◆◆◆

سوہنڑے یار باجھوں میڈی نہیں سردی
تانگھ آوے ودھدی سک آوے چڑھدی

◆◆◆◆

کولرج اعلیٰ و ارفع شاعری کے لئے جو دوسری پہچان بیان کرتا ہے ، وہ یہ ہے کہ ایسی شاعری ایک مطمئن ذہن کی تخلیق دکھائی دیتی ہے ۔ کسی تخلیق میں ترتیب ، توازن ، جذبات ، خیالات ، تخیل اور اسلوب وغیرہ ایسے عناصر ہیں جو اس کے تخلیق کار کے رویوں کی ترجمانی کرتے ہیں ۔ غیر مطمئن ذہن کی تخلیق بہر لحاظ عدم توازن کا شکار دکھائی دیتی ہے جبکہ ایک مطمئن ذہن کی تخلیق نہ صرف بلند تخیل کی حامل ہوتی ہے بلکہ وہ ہر لحاظ سے تخلیق کے فنی تقاضوں کو بھی پورا کرتی ہے ۔

فرید کی شاعری کے مطالعے سے یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ فرید ہر طرح سے ایک مکمل شاعر ہے اور اس کی شاعری عمدہ شاعری کی ہر ضرورت کا خیال رکھتے ہوئے تخلیق کے عمل سے گذری ہے ۔ اس کی شاعری تخیل کی گہرائی کے ساتھ ساتھ اپنے اندر بے حد اوصاف اور خصوصیات سمیٹے ہوئے ہے ۔ اس کے خیالات نہایت پاکیزہ ، موضوعات ارفع ، جاندار اور دلنواز ، الفاظ معتبر اور باوقار اور تخیل نہایت انوکھا اور گہرا ہے ۔ اس کی پوری شاعری بہترین پس منظر اور لاجواب پیش منظر کا مرقع ہے ۔ وہ ہر مصرعے میں ایک حیران کن ترتیب اور توازن قائم کرنے میں کمال مہارت سے کام لیتا ہے ۔ وہ اپنے کلام کو طرح طرح کے تجربات سے مزین کرتا ہے اور ایسے تجربات صرف وہی ذہن کر سکتا ہے جو مطمئن ہو ۔ وہ اپنی شاعری میں جن خیالات کا اظہار کرتا ہے اس سے اس کا قاری نہ صرف سکون اور اطمینان حاصل کرتا ہے بلکہ اس میں زندگی گذارنے کا مثبت رویہ بھی فروغ پانا شروع کر دیتا ہے ۔ وہ زندگی کی ان کوتاہیوں سے بتدریج دور ہونا شروع کر دیتا ہے جن کی وجہ سے انسانی دل و دماغ عدم اطمینان کی صورت حال سے دو چار ہو سکتے ہیں ۔ اس لئے نہایت اعتماد سے کہا جاسکتا ہے کہ فرید کی شاعری ہر لحاظ سے ایک ایسے شاعر کی تخلیق نظر آتی ہے جس کے قلب و ذہن بے حد مطمئن اور روح پر سکون ہے ۔

بن دلبر شکل جہان آیا
ہر صورت عین عیان آیا

کتھے احمد شاہ رسولاں دا   محبوب سبھے مقبولاں دا
استاد نفوس عقولاں دا   سلطاناں دا سلطان آیا

کتھے پنڈت جوسی جوگی ہے کتھے سادھ تے کتھے بھوگی ہے
کتھے مصر براگی روگی ہے کتھے بید بیاس گیان آیا

◆◆◆◆

حسن ازل دی چال عجیبے طرح لطیفے ، طرز غریبے
آپ ہے عاشق آپ رقیبے تھی دلبر جگ موہیں سارا

◆◆◆◆

پیر مغاں مسجود جتوے فرض فرید نماز نتوے
کیتا من کر من اقرار ہے خود اصل حقیقی مقصد

◆◆◆◆

چوریاں چاریاں استغفار
بخشیں شالا رب غفار
گندڑی عادت گندڑے فعلوں توبہ توبہ لکھ لکھ وار
پیر پیغمبر تیڈے پاندھے توں مالک توں کل مختار
میں مسکین فرید ہاں تیڈا توں بن کون اتارم پار

◆◆◆◆

جوبن ساتھی چار ڈیہاں دا جھٹ پٹ ضعف بڑھیپا آندا
کوڑی آس پرائی دویار
تھیاں سرسبز فرید دیاں جھوکاں جھروں سبز تھیاں دل سوکاں
بخشیں واگ والائی دو یار

◆◆◆◆

حسن پرستی گھات اساڈی راز حقائق بات اساڈی
رمز حقیقی جھات اساڈی فخر جہاں ایہا رت سکھایم

◆◆◆◆

دلڑی غیروں وِروں خالی صدر صدور ولایت والی
راخ مالک ملک یقین

◆◆◆◆

جِنگھ ملہاراں ، بارش باراں ، روہی آن وسائی
بوٹے بوٹے گھنڈ سہاون ، سبزے خنکی چائی
پھوگ بوئیں تے لائیں کھپوں ، ناز کریندی لائی
یار فرید خدا خوش رکھس جیں آ جھوک وسائی

◆◆◆◆

کل غیر کنوں جی والیدے
مٹھی ریت انوکھی رالدے

سٹ کر خویش قبیلہ تھیوے بروے تیڈڑے تاں دے
سینے جھوکاں ویدیں ویرے سوہنڑے دوست دلاں دے
اکھیاں دے وچ نظر نہ ماوے سارے سجنڑ سماندے
سٹ کر ورد فرید ہمیشہ گیت پرم دے گاندے

◆◆◆◆

کولرج اعلیٰ و ارفع شاعری کے لئے اپنا موقف بیان کرتے ہوئے شاعری کو ایک طاقت کا درجہ دیتا ہے ، ایک ایسی طاقت کا جو نہ صرف فطرت کی نقل کرنے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہے بلکہ اس نقل کو حقیقت کا روپ دے کر اپنے قاری کے سامنے پیش کرنے کی صلاحیت بھی رکھتی ہے ۔ اس کا خیال ہے کہ شاعری میں یہ قوت بھی ہے کہ وہ اس حقیقت کو تخیل کے زور اور رنگ سے دلچسپ بنا کر پیش کر سکتی ہے ۔

کولرج نے شاعری کی اس پہچان میں ایک تو یہ بات کی ہے کہ یہ مظاہر کی نقل یا عکاسی کرے اور یہ عمل اس پیمانے کا ہو کہ اس میں کمی کا شبہ باقی نہ رہے ۔ اگر شاعر میں اس عمل کے دوران میں کوئی کمی رہتی ہے تو گویا وہ حقیقت سے دور ہوتی ہے اور ایسی صورت میں کولرج کے نزدیک وہ اعلیٰ و ارفع شاعری کے معیار سے گر جاتی ہے ۔ کولرج

اعلیٰ و ارفع شاعری سے مزید یہ توقع بھی رکھتا ہے کہ وہ نہ صرف نقل کو حقیقی رنگ دے کر پیش کرے بلکہ وہ اسے زور تخیل سے دلچسپ اور خوبصورت بھی بنائے۔

کلام فرید میں شامل کافیوں کی ایک وافر تعداد مکمل طور پر اور بہت سی کافیوں میں لاتعداد اشعار اور بند ایسے ہیں جو کولرج کی طرف سے اعلیٰ و ارفع شاعری کے لئے دیئے گئے معیار پر بہر صورت پورے اترتے ہیں۔ اس بات سے سبھی لوگ اتفاق کریں گے کہ فرید نے روہی میں موجود فطرت کی بوقلمونیوں اور خوبصورتیوں کو جس طرح اجاگر کیا ہے اور ان کی جس طرح لفظی عکس بندی کی ہے، یہ صرف اسی کا حصہ ہے۔ اس نے نہ صرف شاعری کی طاقت سے فطرت کو الفاظ کے پیکر عطا کر کے اسے ایک حقیقت کا رنگ و روپ دیا بلکہ اس حقیقت کو رنگوں اور خوبصورتیوں کا جامہ پہنا کر اس انداز میں پیش کیا کہ روہی جیسی پر وحشت جگہ بھی اپنی مخفی خوبصورتی اور رنگوں کے ساتھ ایک گلزار کی صورت میں ہمارے سامنے جلوہ گر ہونے لگتی ہے۔ وہ ایک بلندی تخیل کا حامل شاعر ہے اور اپنے تخیل کے زور سے موضوعات کو رنگ و نور کا پیکر عطا کر دیتا ہے۔ وہ فطرت سے محبت کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ لوگ بھی اس طرف متوجہ ہوں۔ اس نے اس مقصد کے لئے اپنی شاعری کو ایک ایسی طاقت کے روپ میں ڈھال دیا ہے جس نے فطرت کے اس شاہکار کو لوگوں کے لئے یقینی طور پر دلچسپ اور پر کشش بنا دیا ہے۔

روہی لگدڑی ہے سانوَل ترت ولا ہوت مہاراں
کھمڑیاں کھمڑ رنگیلڑیاں رم جھم بارش باراں
بدلے گوڑھے سانورے وچ برسات دیاں دھاراں
کر دھدکارے گاجرس گاون برہوں دیاں واراں
مارو والیاں کھارڑے سنجڑے تھلڑے۔ باراں
کارنڑ مٹھڑی ماروی گل گلزار بہاراں
ککڑے کمڑے ڈھانڈلے کَنْ منْ میٹھ پھکاراں
تیڈے باجھ فرید نوں ڈکھڑے تارو تاراں

◆◆◆◆

ونجھری پالی سدا متوالی   مینھ وسراند تے والی گالی

روہی رشک ملیر ، وہندا بخت ولایا

تھیاں سرسبز فرید دیاں جھوکاں   سبھوں خشکی چائی سوکاں

عد نہ ماندون کھیر ، مولیٰ ماڑ وسایا

◆◆◆◆

سکھ   ساوم   بیلی

سکدی   بانھ   چوڑیلی

بلبل بھنورے خوشیاں پانون   رل مل دوست بسنت سانون

آئی   رت   البیلی

گجے بادل مینھ برسائیں   گاجاں کھنڈیاں کالیاں رائیں

رلدی   روہ   اکیلی

◆◆◆◆

سونڑ سکھنڑ سہاندا ہے

متاں سانول اساول آندا ہے

فال وصال دی کرے چچولے   لالی لولے تے گانگا پولے

سبھوں انگ نہ ماندوم چولے   سکھ ہسے گھر بھاندا ہے

لانڑی پھوگ پھلاری وہ وہ   کنڈڑی کرڑ سنگاری وہ وہ

پنجکی گھنڈ تواری وہ وہ   جھوکاں مال نہ آندا ہے

◆◆◆◆

پورب لمھاوے تے پتالوں پانڑی آوے

پینگھاں ونو ون دیاں   مچھلے پیلے گوڑھے ساوے

روہی رنگ رنگیلی   چک کھپ ہار حمیلاں پاوے

بوٹے بوٹے گھنڈ سہاگوں گیت پرم دا گاوے
ڈھگڑے پالے تھئے خوشحالے مال مویشی گاوے
سبھ کئی پا کر چوڑے بیڑے ہتھ مٹیاں کھڑکاوے
سوہنڑی کوجھی گہنے گنگھرے پاوے پا ٹھمکاوے
سیندھیاں مانگھاں تلک تلولے کجل مساگ سہاوے
عد نہ مانون کھیر گائیں دے پر تھئے چھاپ ڈوہاوے
سوہنڑی موسم سوہنڑیاں مداں سوہنڑا آن ملاوے
باقی عمر فرید دی شالا سانول سانگ وہاوے

کولرج اعلیٰ و ارفع شاعری کے لئے جو آخری پہچان بیان کرتا ہے وہ یہ ہے کہ ایسی شاعری کی زبان عامیانہ اور نچلے درجے کی ہرگز نہیں ہوتی بلکہ اس میں ایسی زبان استعمال میں آتی ہے جسے عام ذہین اور شریف لوگ اپنے استعمال میں لاتے ہیں ۔ اس کے نزدیک زبان عمدہ شاعری میں بنیادی اور اہم کردار ادا کرتی ہے ۔ کولرج ایسی کوئی پابندی عائد نہیں کرتا کہ شاعری صرف کسی ترقی یافتہ یا بزعم خویش ترقی یافتہ زبان ہی میں ممکن ہے ۔ وہ تو صرف یہ کہتا ہے کہ اعلیٰ و ارفع شاعری خواہ کسی زبان میں ہو ، وہ زبان ایسی ہو کہ اسے اس زبان کو بولنے والا عام ذہین اور شریف آدمی اپنے استعمال میں لاتا ہو ۔ اس طرح کولرج اس زبان کی مخالفت کرتا ہے جو ردی اور غیر معیاری ہو اور جس کی سماعت گرانی کا باعث بنے ۔ کولرج کا یہ تنقیدی اشارہ شاعری کے ساتھ ساتھ شاعر کے معیار کی طرف بھی ہماری رہنمائی کرتا ہے کہ شاعری صرف ان لوگوں کے حصے میں آتی ہے کہ جو معاشرے کے ذہین اور شریف لوگ ہوتے ہیں کیونکہ اسی درجے کے لوگ ہی کولرج کے مذکورہ معیار کی زبان کو عام زندگی اور تخلیقی عمل میں کام میں لا سکتے ہیں ۔

شاعری میں زبان کے بارے میں کئی دیگر اہم ناقدین کے خیالات بھی اب تک سامنے آ چکے ہیں ۔ ان میں سے تقریباً سبھی نے شاعری میں سطحی اور پست زبان کے استعمال سے گریز کی بات کی ہے کیونکہ عمدہ تخیل ، اچھے موضوع اور خوبصورت جذبات اور

مظاہر کی عکاسی کمتر زبان میں ممکن ہی نہیں اور جب تک شاعری ان سبھی باتوں کو اپنے دائرے میں نہیں لاتی ، اسے کسی طور بھی اعلیٰ و ارفع شاعری کی قطار میں شامل نہیں کیا جا سکتا ۔

کلام فرید کے مطالعے سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ فرید کی زبان بہت عمدہ ہے اور یہ وہی زبان ہے جسے سرائیکی وسیب کا عام ذہین ، سلجھا ہوا ، مہذب اور شریف آدمی اپنی معمول کی زبان کے طور پر استعمال کرتا ہے ۔ فرید کی پوری شاعری میں ایک لفظ بھی ایسا نظر نہیں آتا کہ جس کے بارے میں کہا جا سکے کہ یہ کمتر معیار کا ہے ۔ اس کے یہاں ایسی زبان کا استعمال ہوا ہے جو ایک ایسے شاعر کی زبان ہونی چاہیئے جو اخلاق کے ایک بلند مقام پر فائز ہے ۔ فرید زبان کے سبھی اسرار و رموز سے واقف ہے ۔ وہ ایک ایسا شاعر ہے جس کے یہاں کسی معمولی لفظ کا تصور تک نہیں ۔ وہ زبان کے استعمال کے سلیقے سے مالا مال ہے اس لئے وہ جب کوئی لفظ استعمال کرتا ہے تو وہ لفظ یقینی طور پر بولنے لگتا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ اس کا اس سے بہتر استعمال ممکن ہی نہیں تھا ۔ بیان حمد و ثنا کا ہو یا ہجر و فراق کا ، زیر بحث مناظر فطرت ہوں یا انسانی جذبات ، فرید کی زبان موضوع کے تقاضوں کے مطابق ایک عجیب تاثر کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہمارے سامنے آتی ہے ۔ اس کی پوری شاعری اس سلسلے میں ہمیں کہیں بھی مایوس نہیں کرتی ۔ اس طرح وہ زبان کے سلسلے میں کولرج کے بیان کئے گئے معیار پر بھرپور طریقے سے پورا اترتا ہے ۔ زبان کے سلسلے میں اس سے پہلے بھی مثالیں پیش کی جا چکی ہیں تاہم مندرجہ ذیل بھی لائق توجہ ہیں ۔

جندڑی اچاکے جیڑا اداے
جاپے تتی کوں کیندی پیاے

برہوں بھیڑا لکھ لکھ بلائیں تھی تھی ڈکھاری منگدی دعائیں
شالا کہیں دیاں یا رب کڈاہیں دیداں نہ انکن ، داری نہ بھاے

◆◆◆◆

مولیٰ جھوکاں پھیر وسیسی   سارا روپ اندر دا ویسی
یار فرید انگڑ پوں بیسی   پلیسم بانھ سرانہدیاں

◆◆◆◆

کلام فرید کے جائزے کے دوران میں ہم نے دیکھا کہ اس کے کلام میں ترنم اس طرح سمایا ہوا ہے کہ جیسے یہ شاعر کی روح سے اس کی شاعری میں در آیا ہو ۔ وہ موضوعات کو اس طرح اپنی شاعری کا رزق بناتا ہے کہ ان موضوعات کی نہ صرف سطح بلند ہو جاتی ہے بلکہ ان میں عجیب کیف اور دلچسپی کا عنصر بھی داخل ہو جاتا ہے ۔ فرید کے خیالات میں ایک سچا جذبہ موجود ہے اور یہ جذبہ اس طرح اظہار پاتا ہے کہ اس سے شاعر کے دل اور دماغ میں باہم مثبت رابطے کی بھرپور عکاسی ہوتی ہے ۔ اس کی پوری شاعری تخیل کی گہرائی کی حامل ہے جس میں خیالات کی توانائی کے ساتھ ساتھ ایک ایسا فلسفہ بھی بنیادی کردار ادا کرتا ہے جس پر فرید پوری طرح کاربند دکھائی دیتا ہے ۔ فرید کی شاعری کو جب بھی پڑھا اور سنا جاتا ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اس کے لطف میں اضافہ ہی ہوتا جا رہا ہے اور جیسے جیسے ہم پر کلام کے معانی منکشف ہوتے چلے جاتے ہیں اس کے ہر شعر کا لطف بھی دو چند ہوتا جاتا ہے ۔ اس کی شاعری میں شامل ہر لفظ اپنی جگہ اس طرح مناسب اور اہم ہے کہ اگر اس میں ذرا بھر بھی رد و بدل کی جائے تو اس سے شاعر کا بنیادی تخیل منفی طور پر متاثر ہوتا ہے ۔ اس طرح فرید کے کلام میں یہ خصوصیت پائی جاتی ہے کہ یہ موزوں ، مناسب اور معتبر الفاظ سے ترتیب پایا ہے ۔ فرید کا سارا کلام اس بات کی عکاسی کرتا ہے کہ یہ ایک مطمئن ذہن کی تخلیق ہے ۔ وہ اپنی شاعری میں فطرت کی اس طرح عکاسی کرتا ہے کہ وہ نہ صرف ایک حقیقت بن کر آنکھوں کے سامنے آ جاتی ہے بلکہ تخیل کی رنگ آمیزی سے مزید خوبصورت اور پرکشش دکھائی دیتی ہے ۔ فرید کی شاعری کی زبان نہایت پاکیزہ اور عمدہ ہے جسے سرائیکی وسیب سے تعلق رکھنے والا ایک ذہین اور شریف انسان اپنی معمول کی زبان کے طور پر استعمال کرتا ہے ۔ اس طرح فرید ان تمام معیارات پر پورا اترتا ہے جو کولرج نے ایک اچھے شاعر اور عمدہ شاعری کے لئے مقرر کئے ہیں ۔

◆◆◆◆

خورشید ناظر

"کلام فرید اور مغرب کے تنقیدی رویے" میں جناب خورشید ناظر نے خواجہ فرید پر بالکل مختلف اور اچھوتا کام کیا ہے۔ میرے علم کے مطابق اس طرح کا کام آج تک کسی اردو شاعر پر بھی نہیں ہوا۔ اس کام کی خصوصیت یہ ہے کہ جناب خورشید ناظر نے اس کتاب میں ہومر سے کولرج تک دس مغربی ناقدین کے تنقیدی نظریات کی روشنی میں کلام فرید کا جائزہ لیا ہے جس میں خواجہ فرید کے کلام کی مثالیں اور ان کا اطلاق خاص طور پر صنائع بدائع کے ذیل میں بحث خواجہ فرید کی شاعری کی ایک نئی جہت کو سامنے لائے گی۔

پروفیسر ڈاکٹر شفیق احمد۔ اسلامیہ یونیورسٹی بہاول پور

◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆◆

حکیم سنائی اور رومی کی طرح خواجہ غلام فرید "مکتب عشق کے نمائندہ اور بڑے شاعر ہیں۔

دستوں پیر مغاں دے
پیتم عشق دا جام

بڑی شاعری کائنات کی طرح ہوتی ہے جس میں "دریافت معانی" کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ چنانچہ خورشید ناظر نے بھی خورشید عالم (خواجہ صاحب کا تاریخی نام) کی شاعری کو نقد کے بڑے تناظر میں دیکھنے کی کامیاب کوشش کی ہے جو آنے والوں کے لئے مشعل راہ کا کام دے گی۔

بقول بیدل

ع این مکتوب ناخواندن نیستاں می شود

پروفیسر سید سعید احمد